www.KitaboSunnat.com

استحکامِ مملکت اور بدامنی کا اِنسداد

(تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں)

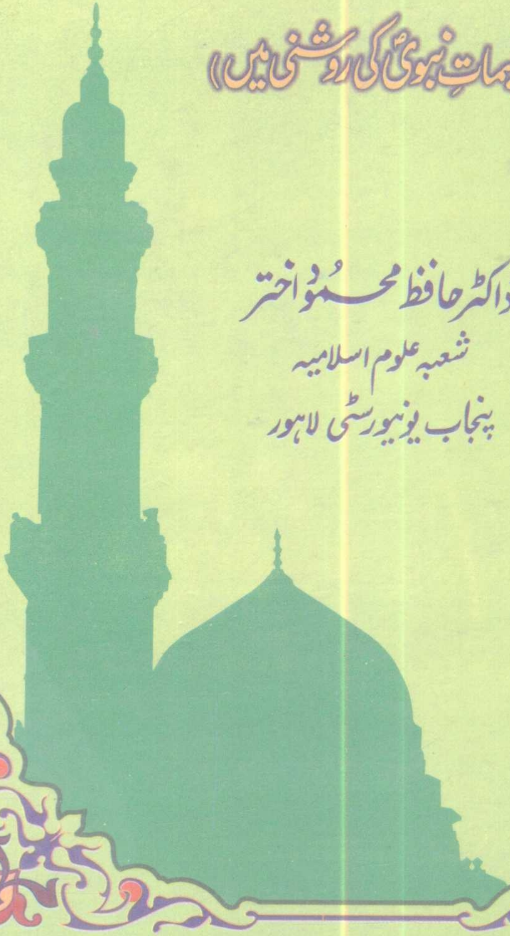

ڈاکٹر حافظ محمود اختر
شعبہ علوم اسلامیہ
پنجاب یونیورسٹی لاہور

الائیڈ بُک سنٹر
34- اُردو بازار- لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

استحکامِ مملکت اور بدامنی کا انسداد

(تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں)

ڈاکٹر حافظ محمود اختر
شعبہ علوم اسلامیہ
پنجاب یونیورسٹی لاہور

www.KitaboSunnat.com

الائیڈ بک سنٹر
34۔ اردو بازار۔ لاہور

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب		استحکام مملکت اور بدامنی کا انسداد (تعلیمات نبوی کی روشنی میں)
مصنف		ڈاکٹر حافظ محمود اختر
باراول	....	2001ء
ناشر	....	الائیڈ بک سنٹر لاہور
		7312346-7241238
مطبع	....	معراج دین پرنٹرز، لاہور
کمپوزر	....	سہیل ناظم (چھوٹو)
قیمت	....	100.00 روپے

13600

بسم الله الرحمن الرحيم

انتساب

سیرت طیبہ پر اپنی اس اوّلین کاوش کو
میں اپنے مرحوم والدین کے نام معنون کرتا ہوں
جن کی تربیت سے میں آج یہ الفاظ لکھنے کے قابل
ہوسکا۔

فہرست مضامین

صفحہ

حرفِ آغاز

پہلا باب

معاشرتی وحدت اور تعلیماتِ نبوی ۱

دوسرا باب

انسانی حقوق کا تحفظ اور قیام امن ۴۳

تیسرا باب

قیام وحدت کے لیے نبی کریم ﷺ کی عملی کوشش ۵۶

چوتھا باب

استحکامِ مملکت کے لیے حکومتی ذمہ داریاں ۷۷

پانچواں باب

فساد و بدامنی کا انسداد حدیث نبویؐ کی روشنی میں ۱۰۱

حرفِ آغاز

سیرتِ طیبہ ایک ایسا چشمہ فیض ہے جو ہر دور میں انسانوں کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس چشمہ صافی سے اربوں انسانوں کی تاریک زندگیوں کو روشنی فراہم ہوئی لوگوں نے آپؐ کی حیاتِ طیبہ اور تعلیماتِ نبویؐ پر جس محبت اور خلوص کے ساتھ لکھا ہے وہ آپؐ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔

تاریخ انسانی میں آپؐ ہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے دیرپا' ہمہ گیر اور حقیقی انقلاب برپا کیا۔ آپؐ اس بات کے بجاطور پر مستحق ہیں کہ آپؐ کی تعلیمات اور آپؐ کا پیغام انسانوں تک پہنچانے کے لیے قلم اٹھایا جائے۔ اس سے نبی کریم ﷺ کی شان کو خراجِ تحسین تو پیش ہوگا ساتھ ہی ہماری دنیا اور آخری کی فلاح کے راستے بھی کھلیں گے۔

آج کے دور میں مسلمان گوناں گوں مسائل سے دوچار ہیں۔ ان مسائل میں سے ایک بنیادی مسئلہ مسلمانوں میں وحدت و یگانگت کا فقدان ہے۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ لوگوں کو اس بات سے آگاہ کیا جائے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہمارا تعلق محض اس قدر ہی نہیں ہے کہ آپؐ کے ساتھ وارفتگی کے ساتھ محبت کریں۔ یہ تعلق انسان کی بہت بڑی متاع ہے لیکن محبت کا حق اس وقت ادا ہوگا جب آپ کے اسوۂ حسنہ کو ہم اپنی عملی زندگیوں میں بھی زیرعمل لائیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے روزمرہ زندگی کے جو اصول جو اصول ہمیں دیئے ہیں ہم ان پر بڑی آسانی سے عمل کر سکتے ہیں اور ان پر عمل کرنے کے نتیجے میں خود بخود افرادِ معاشرہ کے درمیان محبت و اخوت کے جذبات پروان چڑھتے رہتے ہیں صحابہ کرامؓ اس کی مثال ہیں۔ بے شک صحابہ کرامؓ جو شیر و شکر ہوئے تھے اس میں نبی کریم ﷺ کے وجودِ اطہر کی موجودگی کا معجزانہ کردار بھی تھا' لیکن نبی کریم ﷺ کا پیغام بھی ہر دور میں

وہی محیر العقول نتائج پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جو اس وقت پیدا ہوئے تھے۔ضرورت اس بات کی ہے آپؐ کے پیغام پر اس یقین اور اعتماد کے ساتھ عمل کیا جائے کہ جس طرح چھٹی صدی عیسوی میں انقلاب برپا ہوا تھا آج بھی وہ تبدیلی آسکتی ہے کیونکہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ آج کوئی مثبت تبدیلی نہیں آسکتی تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیرت طیبہ کا ہمارے ساتھ کیا تعلق باقی رہ جاتا ہے؟

میں نے بالعموم اتحاد و یگانگت کے موضوع پر احادیث نبویہ یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کے لیے سیرتِ طیبہ کا فکری و عملی دونوں پہلو پیش کیے ہیں۔اسلامی حکومت پر اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کے حوالے سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور جو ایک اسلامی حکومت کے لیے ''راہنما اصول'' کی حیثیت رکھتی ہیں' ان کا ذکر بھی اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے۔اور سب سے اہم بات کہ بدامنی اور فتنہ وفساد کا انسداد کس طرح کیا جاسکتا ہے اور اس سلسلے میں سیرتِ طیبہ میں کیا لائحہ عمل دیا گیا ہے' اس پر قلم اٹھانے کی کوشش کی ہے۔

میری یہ کاوش محض اس سعادت کے حصول کے لیے ہے کہ میں بھی سیرت طیبہ پر لکھنے والے لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔شاید کسی کے دل پر میری یہ گذارشات اثر کر جائیں۔

حافظ محمود اختر

پہلا باب

معاشرتی وحدت اور تعلیماتِ نبوی ﷺ

نبی کریم ﷺ کی بعثت اور اسلام کی آمد انسانیت کے لیے رحمت اور کامرانیوں کا آغاز تھا آپ کی آمد کے وقت انسانیت فکری' نظریاتی اور اخلاقی اعتبار سے شرک و بت پرستی اور گمراہی کا شکار تھی تو اخلاقی اعتبار سے بھی بحیثیت مجموعی پستیوں میں جاچکی تھی۔

آپ کے انقلاب کی بنیاد قرآن مجید ہے اور آپ خود قرآن کی عملی تصویر تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپؐ کا پیدا کردہ انقلاب اتنا ہمہ گیر' سریع اور دیرپا تھا کہ اسلام کے مخالفین بھی اس کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ آپؐ نے ایک ایسی قوم کو وحدت کی لڑی میں پرو دیا جو کبھی بھی کسی مرکزی نظام کے تابع نہیں ہوئی تھی۔

اسلام سے قبل عربوں کی حالت:

نبی کریم ﷺ نے انسانیت کو اتحاد و یگانگت اور امن و سلامتی سے رہنے کا جو خوگر بنایا۔ اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ آپؐ کی تشریف آوری کے وقت اتحاد و یک جہتی کے حوالے سے عربوں کی حالت سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ آپؐ کی بعثت کے وقت فطری صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے اگرچہ عرب کا ذرہ ذرہ ستارہ تھا لیکن وہ کسی ایک نظام شمسی کے تابع نہ تھا۔ پورا عرب اگرچہ جغرافیائی اعتبار سے ایک یونٹ تھا لیکن نہ تو کبھی تاریخ نے اس کے ملی و قومی اتحاد کا نشان دیا اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانے میں تمام عرب ایک پرچم تلے جمع ہوئے۔

www.KitaboSunnat.com

جس طرح ہر گھر کا اپنا اپنا الگ معبود تھا اسی طرح ہر قبیلے کا اپنا اپنا رئیس تھا۔ شمالی عربؒ تو خاص طور پر لاتعداد قبائل کا مسکن تھا جو ہروقت خانہ جنگی میں مصروف رہتے۔ بکر اور تغلب کی چالیس سالہ لڑائی کا خاتمہ آپؐ کی ولادت سے تھوڑا عرصہ قبل ہوا تھا۔ کندہ اور حضر موت کے قبائل لڑتے مرتے رہتے تھے۔ اوس اور خزرج آپس میں لڑلڑ کر اپنا آپ ختم کر رہے تھے۔ حرم کے اندر بنو قیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ پہاڑوں میں جرائم پیشہ قبائل آباد تھے۔ بہت سے قبائل کا ذریعہ معاش غارت گری ہی تھا۔ اگرچہ عام پیشہ تجارت تھا لیکن کوئی تجارتی قافلہ یہ تصور نہیں کرسکتا تھا کہ وہ غارت گروں سے بچ کر نکل جائے گا۔ حیرۃ کے عرب بادشاہ اگرچہ شمالی عرب میں کافی اثرورسوخ رکھتے تھے تاہم ان کے تجارتی قافلے بھی عکاظ کے بازاروں میں عافیت سے نہیں پہنچ پاتے تھے۔ جو حرمت والے تین مہینے مسلسل آتے ہیں ان میں امن و چین سے بیٹھنا ان کے لیے محال تھا۔ مکہ کے قریب کے علاقوں میں اسلم اور غفار قبائل آباد تھے جو حاجیوں کو لوٹنے میں مشہور تھے۔ بنو طے کے ڈاکو بھی بڑا نام رکھتے تھے۔ اگرچہ اسلام کے آنے کے بعد اس حالت میں تبدیلی آئی لیکن بعض علاقوں میں تو اس کے بعد تک بھی لوٹ مار جاری رہی۔ اس سلسلے میں حرمت والے مہینوں کی حرمت کو بھی پامال کر دیا جاتا تھا۔(۱)

اسلام سے قبل عربوں کی سرکشی اور اتحاد سے بیگانگی کے بارے میں مولانا حامد الانصاری لکھتے ہیں:

عصر جاہلیت کے عرب کسی قوت جامعہ سے محروم تھے' جسے آج کل حکومت و سلطنت کا نام دیا جاتا ہے۔ پورے ملک میں کوئی مرکزی نظام نہ تھا۔ نہ عدالتی نظام نہ انتظامی ڈھانچہ نہ معاشیات کا شعبہ ---- غیر ممالک سے تعلقات سرے تھے ہی نہیں۔ تجارت کی آزاد راہیں' طاقت کے بل بوتے پر جاری تھیں ہمسایوں سے کسی سیاسی رابطے کا کوئی سوال نہ تھا---- ظالم کو ظلم سے روکنے اور مظلوم کو مصائب سے بچانے کا کوئی بندوبست نہ تھا۔(۲)

نبی کریم ﷺ اور قیام امن:

امن و امان کسی بھی معاشرے اور مملکت کی بقاء و استحکام کے لیے ناگزیر ہوتا ہے

معاشرے میں امن وسکون قائم کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے ایسے اصول دیئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر دنیا کو بدامنی سے نجات دی جاسکتی ہے۔ ان اصولوں کے مثبت اثرات کے ثبوت کے طور پر کہا جاسکتا ہے انہی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے عرب کا وہ معاشرہ جہاں صرف طاقت کی زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون جاری و ساری تھا' وہاں شرافت اور احترام انسانی کا بول بالا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے کعبتہ اللہ کو قیامِ امن کا مرکز بنایا ہے۔ فرمایا: **وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا** (۳) (جو کوئی حرم میں داخل ہوا وہ امن میں ہوگیا) مزید فرمایا **اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا** (۴) کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والی جگہ بنا دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا فرمائی تھی کہ **رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا** (۵) اے میرے رب اس شہر مکہ کو امن والا شہر بنا دے۔

نبی کریم ﷺ کے ہاں امن کی کیا اہمیت تھی' اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ نے مدینہ پہنچ کر جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا اسے امن و سلامتی کی دعا کے ساتھ ختم کیا۔ ظاہراً فتح مکہ کا دن بدامنی کا دن ہونا چاہیے تھا لیکن اس میں آپؐ نے بدترین دشمنوں کے لیے بھی امن کے دروازے کھول دیے اور حکم فرمایا کہ جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لیے امن ہے۔ جو حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لیے بھی امن ہے جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اس کے لیے بھی امن ہے۔ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اس کے لیے بھی امن ہے۔ مولانا حامد الانصاری فرماتے ہیں:

یہ پہلا دن تھا جب امن عالم کا آفتاب نصف النہار پر پہنچا اور اس کے بعد اسلام کے اچھے زمانے تک کبھی غروب نہیں ہوا۔ (٦)

نبی کریم ﷺ نے جو اتحاد پیدا کیا اس کا نقشہ وان کریمر نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔ "آنحضرت ﷺ نے نئے مذہب کے ساتھ ایک نیا نظام حکمرانی بھی پیش کر دیا جو بالکل جدید اور خاص صورت رکھتا تھا۔ متعدد چھوٹے بڑے اور مختلف اقسام کے قبیلوں کو جو [illegible] بدامنی میں مبتلا رہتے تھے' آنحضرت ﷺ کے پیغام نے ایک قوم بنا دیا۔۔۔۔ جب آنحضرت ﷺ کا وصال ہوا تو تمام عرب پر خدا کا امن چھایا ہوا تھا۔"

ڈاکٹر آرنلڈ نے آپؐ کے پیدا کردہ امن کا ذکر کرتے ہوئے ایک دیہاتی عرب کا ایک

بیان نقل کیا ہے- اس نے کہا:

محمد (ﷺ) کی وفات پر افسوس! جب تک آپ زندہ تھے میں دشمنوں سے حفاظت اور امن میں تھا- (۷)

وحدت کی بنیادیں:

توحید:

ظلم وبربریت کے ماحول میں نبی کریم ﷺ نے توحید کو لوگوں میں اتحاد و یگانگت کی بنیاد بنایا- آپؐ نے اس بنیاد پر سب انسانوں کو متحد کیا کہ سب انسان اللہ کی مخلوق ہیں- انسانوں کا خالق و مالک ایک ہے- اسی کی اطاعت لازمی ہے- اسی کی رضا مطلوب ہے- وہی نفع نقصان کا مالک ہے- آپؐ نے فرمایا اللہ کی ساری مخلوق اس کا کنبہ ہے اور کنبہ ہمیشہ اپنے سربراہ کی نگرانی میں متحد ہو کر چلتا ہے- لہٰذا آپؐ نے لوگوں کو ایک خدا کی اطاعت کی طرف بلا کر اتحاد کی ایک مضبوط بنیاد فراہم کر دی- آپؐ نے فرمایا:

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے مقابلہ کروں یہاں تک کہ وہ لاالہ الا اللہ کے قائل اور ماننے والے بن جائیں- اگر لوگوں نے ایسا کرلیا تو انہوں نے اپنا جان و مال محفوظ کرلیا-"(۸)

بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث میں یہ روایت موجود ہے آپؐ نے فرمایا

"جو کوئی ہمارے ساتھ نماز پڑھے' ہمارے قبلہ کی جانب رخ کرکے نماز پڑھے' ہمارا ذبیحہ کھائے وہ ایسا مسلم ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امان ہے-"(۹)

قرآن مجید کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایمان اور امن کا گہرا تعلق ہے- اگر ایمان کے تمام تقاضے پورے ہو جائیں تو کامل امن بھی میسر آجائے گا اور جتنا جتنا ایمان کمزور ہوگا اسی مناسبت سے امن میں بھی کمی واقع ہوتی جائے گی- امن و ایمان دونوں کا مادہ بنیادی طور پر ایک ہی ہے- قرآن کریم کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ اگر ہمارا ایمان پختہ ہوگا تو ہمیں امن و سکون کی نعمت میسر آئے گی- سورۃ الانعام کی

آیت نمبر۸۲ میں فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○

جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمانوں کے ساتھ ظلم یعنی شرک کو نہیں ملایا تو ان ہی کے لیے امن ہے اور یہی لوگ سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں۔

سورۃ النور کی آیت نمبر۵۵ میں فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں کہ وہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔ ان کے لیے ان کے دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ان کی خوف کی حالت کو امن میں بدل دے گا۔ یہی مضمون سورۃ الانعام کی آیت نمبر۸۱ میں میں بیان کیا گیا۔

اس کے برعکس جو لوگ دنیا میں کفر کرتے ہیں انہیں مفسد قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ النحل کی آیت نمبر۸۸ میں فرمایا:

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یُفْسِدُوْنَ ○

وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں عذاب پر عذاب دے گا اس کے سبب کہ یہ لوگ فساد کرنے والے تھے۔

(ii) دین اسلام اتحاد کی بنیاد ہے:

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر۱۰۳ میں فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ

كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا

اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقے میں نہ پڑو اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمہارے اوپر کی کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی اور اس کی نعمت سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ (تفرقہ بازی اور دشمنیوں کی آگ) کے کنارے پر کھڑے تھے اور اس نے تمہیں اس آگ سے بچالیا۔

سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۶۳ میں فرمایا:

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ

اس نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اگر آپ زمین کا سارا مال خرچ کر دیتے اور آپس میں دلوں میں الفت پیدا کرنے کی کوشش کرتے تو تب بھی آپ ان کے دلوں کو نہ ملا سکتے لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو ملا دیا۔

اس آیت مبارکہ سے واضح ہوا کہ لوگوں کے دلوں میں باہم الفت و محبت پیدا کرنے کا ذریعہ اللہ کا دین ہے۔ یہ بات ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عربوں کو کوئی چیز اکھٹا اور متحد نہ کر سکی۔ ان میں اگر اتحاد پیدا ہوا تو محض دین اسلام کی بنیاد پر۔ گویا مذکورہ بالا آیت کریمہ بتلا رہی ہے کہ لوگوں کو صرف دین نے متحد کیا۔ یہ ہماری سوچ کی غلطی ہے کہ ثقافتی طائفوں' فلموں' ڈراموں اور کھیلوں کے مقابلوں کے ذریعے ملکی وحدت قائم کی جاسکتی ہے۔ یہ محض ہماری خام خیالی ہے کہ ان کاموں کو ہم یگانگت پیدا کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۶۳ میں مسلمانوں کے دلوں میں اللہ کی طرف سے ڈالی گئی الفت کا ذکر کیا گیا اور اس سے متصل اگلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ اگر تم میں سے ایک سو بندے ثابت قدم ہوں گے تو وہ دو سو دشمنوں پر بھاری ہوں گے۔ گویا مسلمانوں کی ثابت قدمی ان کے اتحاد کا لازمی نتیجہ ہوگی۔ اسی بات کو سورۃ الانفال ہی کی آیت نمبر ۴۶ میں یوں بیان کیا گیا:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ آپس میں تنازعہ نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

قرآن کی انہی تعلیمات کو عملی جامہ پہناتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے واضح طور پر حکم فرمایا ہے کہ اجتماعیت اور اتحاد کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ آپ نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَاِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ مَنْ اَرَادَ بِحَبُوْحَةِ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزِمِ الْجَمَاعَةِ (۱۰)

تمہارے اوپر جماعت لازم ہے اور تفرقے سے بچو کیونکہ شیطان اکیلے شخص کے ساتھ ہوتا ہے اور دو سے دور بھاگتا ہے جو کوئی جنت کے وسط میں جگہ چاہتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ جماعت کو لازم قرار دے۔

آپ نے فرمایا:

يَدُ اللّٰهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ (۱۱)

اللہ کا ہاتھ (اس کی تائید و نصرت) جماعت کے اوپر ہوتا ہے۔

ایک اور جگہ آپ نے فرمایا:

يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ اِلَى النَّارِ (۱۲)

اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔ اور جس شخص نے جماعت سے علیحدگی اختیار کی وہ جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا گیا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایک بکری اپنے ریوڑ سے الگ ہو جائے تو بھیڑیا آکر اسے پکڑ لیتا ہے۔ اسی طرح سے انسان اگر اپنی جماعت اور مرکزیت سے کٹ کر اپنے آپ کو تنہا کرلیتا ہے تو وہ اسی طرح سے غیر محفوظ ہو جاتا ہے جس طرح ریوڑ سے الگ ہونے والی بکری۔(۱۳)

نبی کریم ﷺ کے ان فرامین کی بنیادی حکمت یہ ہے کہ اجتماعیت کی صورت میں ایک انسان دوسرے انسان کا مددگار ہوتا ہے۔ ایک فرد دوسرے کی مصیبت میں اسے مالی' اخلاقی اور بدنی مدد مہیا کر سکتا ہے۔ اسے مشاورت مل سکتی ہے جس کی روشنی میں وہ اپنی زندگی کے بارے میں مفید فیصلے کر سکتا ہے۔

عام معاشرتی زندگی میں بھی نبی کریم ﷺ نے اجتماعیت پر زور دیا۔ آپ نے فرمایا جب تم میں سے تین آدمی سفر کے لیے نکلیں تو چاہیے کہ ایک کو اپنا امیر بنالیں۔(۱۴)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایسے تین آدمیوں کے لیے جو کسی بیابان میں ہوں ان کے لیے صرف یہ بات جائز ہے کہ وہ اپنے میں سے ایک کو اپنا امیر بنا کر رہیں۔ اس طرح تمہارا مختلف گھاٹیوں اور میدانوں میں منتشر طور پر رکنا صرف شیطان کی وجہ سے ہے۔(۱۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ تم سے تین باتوں سے راضی ہوتے ہیں اور تین باتوں سے ناراض۔ جن باتوں سے راضی ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ تم اس کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور اپنے سلطان کی خیر خواہی چاہو۔ اور جن باتوں سے ناراض ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ قیل و قال کرو۔ مال کو ضائع کرو۔ اور غیر ضروری سوالات کرو۔

اس حدیث مبارکہ کی تشریح میں حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ یہاں لوگوں کو اتحاد و اتفاق سے سختی کے ساتھ قائم رہنے پر ابھارا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حبل اللہ سے مراد جماعت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے ایک خطبے سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ انہوں نے فرمایا:(۱۶)

لوگو! تمہارے اوپر سمع و طاعت اور جماعت کو لازم پکڑنا ضروری ہے کیونکہ جماعت ہی اللہ کی رسی ہے جسے مضبوطی سے پکڑنے کا اس نے حکم دیا ہے اگرچہ بعض اوقات جماعت میں ناگواریوں کا سامنا کرنا پڑے ان ناگواریوں کو برداشت کرنا تفرقہ سے بہتر ہے۔(۱۷)

اس حدیث مبارکہ کی تائید میں ایک اور فرمان نبویؐ بھی موجود ہے فرمایا:

تین باتیں ایسی ہیں کہ ان کے بارے میں کوئی مسلمان دھوکہ نہیں کھاتا۔ اول یہ کہ اس کا ہر عمل خالص اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ دوم جن لوگوں کا اسے ذمہ دار بنایا گیا ہے وہ ان کا خیر خواہ رہتا ہے۔ سوم یہ کہ وہ ہر حال میں جماعت کو لازم پکڑے رہتا ہے۔(۱۸)

ایک اور حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جماعت رحمت ہے اور تفرقہ عذاب ہے۔" (۱۹)

حضرت حارث الاشعری نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان نقل فرماتے ہیں کہ میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم مجھے اللہ نے دیا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ جماعت، سمع و طاعت، ہجرت و جہاد کو لازم پکڑنا' (۲۰)

ان احادیث کی روشنی میں حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اہل ایمان کا ایک نظام کے تحت متحد ہو کر زندگی گزارنا فرض اور واجب ہے۔ اسی کے نتیجے میں امت ایک شیرازہ میں منسلک ہو کر دینی و دنیوی سعادتوں سے مستفید ہو سکے گی۔(۲۱)

وحدت بذریعہ عبادات:

اسلام دین اجتماعیت ہے۔ یہاں انفرادی حقوق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ اجتماعیت پر زور دیا گیا ہے۔ اسلامی عبادات اجتماعیت پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ نماز کی ادائیگی ایک دینی فریضہ ہے۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے باجماعت نماز کا حکم فرمایا۔ اس سلسلے میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے اور ایسا نہ کرنے والوں کو سخت وعید بھی سنائی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ گھر میں پڑھی ہوئی نماز کے مقابلے میں مسجد میں جا کر باجماعت پڑھی ہوئی نماز کا ثواب پچیس یا ستائیس گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔(۲۲) اور پیدل چل کر مسجد جائیں تو ایک ایک قدم کے بدلے نیکیاں ملتی ہیں۔ باجماعت نماز کی تاکید کی یہ انتہا ہے کہ رحمتہ للعالمینؐ فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی کو اذان دینے کا حکم دوں۔ پھر اپنے جائے نماز پر کسی کو کھڑا کروں کہ وہ نماز کھڑی کرے اور میں گلیوں میں گھوم پھر کر دیکھوں کہ کون کون باجماعت نماز میں شریک نہیں ہوا اور ایسے سب لوگوں کو ان کے گھر کے مال و متاع سمیت جلا ڈالوں۔ لیکن پھر مجھے عورتوں بچوں اور بیماروں کا خیال آیا اور میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔(۲۴) نبی کریم ﷺ کے اس فرمان میں شدت کا انداز باجماعت نماز کے تاکیدی حکم کی طرف اشارہ ہے۔

نماز کا فلسفہ یہی ہے کہ اس کے ذریعے مسلمان دن میں پانچ وقت ملتے ہیں ایک دوسرے کے حالات سے آگاہ ہوتے ہیں۔ باہم ملنے سے محبت بڑھتی ہے۔ نماز میں جس سے ملاقات نہ ہو اس کے بارے میں پوچھا جاتا ہے۔ دوسروں کے ذاتی مسائل سے آگاہی ہوتی ہے۔

نماز میں ایک امام کی اقتداء کی جاتی ہے۔ اس طرح ان میں تنظیم اور امیر کی اطاعت کی تربیت ہوتی ہے۔(۲۵)

نماز جمعہ اور عیدین کی نمازیں بھی بڑے پیمانے پر اجتماعیت و وحدت کا اظہار ہیں۔ ان بڑے اجتماعات میں مسلمان اکٹھے ہوتے ہیں انہیں اپنی طاقت کا پتہ چلتا ہے۔ اجتماعیت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ امیر شہر یا اس کا نمائندہ ان کی امامت کراتا ہے۔ امیر شہر کا رعایا سے تعارف ہوتا ہے۔ اسے لوگوں کے رہن سہن اور ان کے معاشی حالات کا پتہ چلتا ہے یوں یہ اجتماع مسلمانوں کی معاشرت میں اہمیت حاصل کرلیتا ہے۔(۲۷)

روزہ' زکوٰۃ اور حج بھی مسلمانوں کی وحدت کی تربیت کا ذریعہ بھی ہیں اور مظہر بھی۔

روزے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایک معقول وقت تک کے لیے بھوکا پیاسا رکھے تاکہ اسے بھوکے پیاسے کی تکلیف کا احساس ہو۔ اسے پتہ چلے کہ بھوک پیاس کتنی بڑی تکلیف ہے اور اسی احساس کے تحت وہ معاشرے کے غریب لوگوں کے لیے خرچ کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کا فلسفہ بھی یہ ہے کہ معاشرے کے دولت مند اور صاحب حیثیت لوگ اپنے مال میں سے کچھ حصہ اپنے ان ساتھیوں کو دیں جو کسی وجہ سے محروم المعیشت رہ گئے ہیں۔ اس سے خود غرضی کا خاتمہ ہوگا۔ بخل مٹے گا۔ ایثار کو فروغ حاصل ہوگا۔ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہیں رہ جائے گی۔ جب معاشرے کے امیر لوگ غریبوں کا خیال کریں گے ان کی معاشی کفالت کریں گے تو دونوں طبقات کے درمیان محبت کے جذبات پیدا ہوں گے۔ اس سلسلے میں دنیا نے مشاہدہ کر لیا ہے کہ جب مغرب کے سرمایہ داروں نے غریبوں کا احساس نہیں کیا تو غریبوں کے دل میں ان کے لیے نفرت پیدا ہوئی۔ اس کے ردِ عمل کے طور پر کمیونسٹ انتہا پسندانہ انقلاب آیا۔ لاکھوں اس نفرت کی بھینٹ چڑھ گئے۔(۲۸)

حج کا بنیادی فلسفہ بھی یہی ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان آپس میں غریب اور امیر' کالا اور گورا کا فرق ختم کرکے ایک ہی طرح کا لباس پہن کر ایک ہی روپ دھار کر ایک ہی طرح کے اعمال سرانجام دیتے ہیں۔ حج کے دنوں میں سب پر ایک ہی ذھن چھائی ہوتی ہے کہ اللہ کی رضا حاصل کی جائے۔ دنیا بھر سے آنے والے لوگ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ حالات معلوم کرتے

ہیں۔ ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہی ہوتی ہے۔ علماء اور سکالرز مل کر علمی ‘ سیاسی‘ معاشرتی و سیاسی مسائل پر غور کرتے ہیں اور عالمی سطح کا یہ اجلاس ان لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیتا ہے۔(۲۹)

اسلامی معاشرے کی ہیئت:

نبی کریم ﷺ نے ایک مضبوط و مستحکم معاشرے کی تصویر پیش کرنے اور مسلمانوں کو باہم شیرو شکر ہو جانے کے حوالے سے کئی ایک مثالیں پیش فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضَهٗ بَعْضًا(۳۰)

ایک مومن دوسرے مومن کے لیے ایک دیوار کی مانند ہوتے ہیں۔ کہ اس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط بناتی ہے۔

اسی بات کو آپؐ نے یوں بھی سمجھایا

مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ اَذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى(۳۱)

مومنوں کی مثال دوستی اور اتحاد میں ایسی ہے جیسے ایک بدن ہو۔ بدن میں سے جب کوئی عضو درد کرتا ہے تو سارا بدن اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے نیند نہیں آتی اور بخار آجاتا ہے۔

اس مفہوم کی دیگر کئی ایک احادیث مزید بھی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ سب مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اگر جسم میں سے سر کو درد محسوس ہو تو پورا جسم اس تکلیف اور درد کو محسوس کرتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے اگر آنکھ کو تکلیف ہو تو سارا جسم آنکھ کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔(۳۲)

آپؐ نے مسلمان معاشرے میں افراد کے باہمی تعلق کو ظاہر کرنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے کے اندر پیوست فرمایا کہ مسلمانوں کا باہمی تعلق محض سطحی اور واجبی نوعیت کا نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ محبت و اخوت کے ایک مضبوط رشتے میں منسلک ہوتے ہیں۔(۳۳)

آپؐ نے فرمایا:

اَلْمُؤمِنُوْنَ کَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنْ اشْتَکٰی رَاسَهٗ تَدَاعٰی لَهٗ سَائِرَ الْجَسَدِ بِالْحُمّٰی

یعنی تمام مومن آپس میں ایک فرد کی طرح ہیں اگر اس کے سر میں درد ہو تو پورا جسم اس درد اور بخار کا اثر محسوس کرتا ہے۔ (۳۴)

آپؐ نے فرمایا:

اَلْخَلْقُ کُلُّهُمْ عَیَالُ اللّٰهُ وَاحَبَّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰهِ مِنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِهٖ(۳۵)

تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔

اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ:

اس سلسلے میں خود نبی کریم ﷺ کے طریقہ مبارک کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے اور بتلایا ہے کہ اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اللہ کی مخلوق اس کے گرد اکٹھی ہو جاتی ہے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو لوگ اس سے دور بھاگتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے مستحکم معاشرہ قائم کرنے اور لوگوں کے اتحاد و یگانگت سے رہنے کے لیے ایک ضابطہ دیا کہ اس ضابطے پر اگر عمل کرتے ہوئے زندگی گزاری جائے تو خود بخود لوگوں میں اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ آپؐ نے سب سے پہلے خود اس ضابطہ اخلاق پر عمل کرکے اپنا نمونہ پیش فرمایا۔ اس ضابطہ اخلاق کے چیدہ چیدہ پہلو یہ ہیں۔

خوش اخلاقی کا طریقہ اپنایا جائے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں سورۃ آل عمران کی آیت نمبر۱۵۹ میں فرمایا گیا۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْلَهُمْ

اے محمد ﷺ اللہ کی مہربانی سے آپؐ کی افتادِ مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی

ہے۔ اگر آپ بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ آپ ان کی غلطیوں پر انہیں معاف کر دیا کریں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگتے رہا کریں۔

گویا خوش اَخلاقی اختیار کرنے سے لوگ آپس میں قریب آئیں گے۔ ان میں ربط اور محبت بڑھے گی۔

اس کے مقابلے میں آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ شَرَّالنَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاس اِتِّقَاءِ شَرِّهٖ

(۳۶)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن رتبے کے اعتبار سے بدترین شخص وہ ہے جس کے شر کے خوف سے لوگ اسے چھوڑ دیں۔

ابوداؤد میں یہ فرمان نبویؐ ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

اِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَاللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ ودعه - اوتركه - النَّاسُ لاتِّقَآءِ فُحْشِهٖ -(۳۷)

ابوداؤد میں ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ الَّذِيْنَ يُكْرَمُوْنَ اِتِّقَاءَ اَلْسِنَتِهِمْ (۳۸)

نبی کریم کا دیا ہوا نظام اخلاق امن و اتحاد کی ضمانت ہے۔ اور آپ نے خود اپنے عمل سے اس نظام اخلاق کی عملی شکل پیش فرمایا۔ چند ہم نشینوں کی گواہی ملاحظہ ہو:

جب رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپؐ پر خوف کی ایک کیفیت طاری ہوئی تو اس وقت آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کے اَخلاق کو ان الفاظ سے پیش فرمایا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز پریشان نہیں کرے گا آپ صلہ رحمی کرتے ہیں مقروضوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ غریبوں کی مدد کرتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں۔ حق کی حمایت کرتے ہیں اور مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔(۳۹)

حضرت عائشہ صدیقہؓ آپؐ کے اخلاق کے بارے میں فرماتی ہیں۔

آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ کسی کو برا بھلا نہ کہتے۔ برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگزر فرماتے اور معاف فرماتے۔ آپ نے کبھی ذاتی مسئلے میں کسی سے انتقام نہیں لیا۔(۴۰)

حضرت علیؓ نے آپؐ کے اخلاق کے بارے میں فرمایا:

آپ خندہ جبیں، نرم خُو مہربان طبع تھے۔ سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے۔ بات بات پر شور نہیں کرتے تھے۔ کبھی کوئی برا کلمہ زبان سے نہ نکالتے۔ لوگوں کے عیب نکالنے والے اور تنگ گیر نہ تھے۔ اگر کوئی بات ناپسند ہوتی تو اس سے اِغماض فرماتے۔ آپؐ نے تین باتوں کو اپنے سے دور رکھا۔ بحث مباحثہ، ضرورت سے زیادہ باتیں کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں نہ پڑنا۔ دوسروں کے بارے میں بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے۔ کسی کو برا نہیں کہتے تھے۔ کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے۔ اور کسی کی اندرونی باتوں کی ٹوہ نہیں لگاتے تھے۔ وہی باتیں کرتے جس سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا۔ آپ بڑے فیاض راست گو نرم طبع تھے۔ اگر کوئی ایک دفعہ آپ سے ملتا تو مرعوب ہوتا جیسے جیسے آپ سے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔(۴۱)

ہند بن ابی ہالہ نے نبی کریم ﷺ کے اخلاق و عادات کے بارے میں فرمایا آپ نرم خو تھے سخت مزاج نہ تھے۔ کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہار تشکر فرماتے۔ کسی چیز کو برا نہ کہتے۔ دنیا اور اس کی چیزیں آپ کو غصہ نہ دلا سکتیں۔ اگر کوئی حق کی مخالفت کرتا تو غصہ کرتے اور حق کی حمایت کرتے۔ لیکن ذاتی معاملے میں کبھی غصہ نہ آتا اور کبھی کسی سے انتقام نہ لیتے۔(۴۲)

حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کے دربار میں آپ کے اخلاق کے بارے میں یوں گواہی دی کہ آپؐ نے ہمیں تعلیم دی کہ پتھروں کو نہ پوجیں سچ بولیں۔ خونریزی سے باز آجائیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں ہمسایوں کو آرام پہنچائیں۔ عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں۔(۴۳)

ابو سفیان نے ہرقل کے دربار میں آپؐ کے اخلاق کے بارے میں کہا وہ نماز' صداقت' پاک دامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔(۴۴)

جب اہل طائف نے آپ کو پتھر مار مار کر لہولہان کر دیا تو آپ اس وقت بھی ان کے لیے ہدایت کی دعا فرماتے رہے۔ جب ۹ھ میں ان کا وفد مدینہ طیبہ آیا تو آپ ان سے عزت و احترام سے پیش آئے اور مسجد نبوی کے صحن میں مہمان کی حیثیت سے ان کا استقبال کیا۔(۴۵)

بارہا ایسا ہوا کہ آپ کو ناگوار صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپؐ نے کبھی ردِ عمل کے اظہار میں جلد بازی سے کام نہیں لیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائی گئی تو آپؐ نے منافقین کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا اور جو مسلمان اس سازش کا شکار ہو گئے تھے انہیں بھی برا بھلا نہیں کہا' غزوہ حنین میں کسی نے تقسیم غنیمت پر اعتراض کیا تو آپؐ نے اس پر بڑا لطیف سا تبصرہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ لوگوں نے انہیں بہت تنگ کیا۔(۴۶) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی دس برس تک خدمت کی۔ لیکن آپ ﷺ نے کبھی بھی اتنے الفاظ بھی نہیں کہے کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا کیوں نہیں کیا؟"(۴۷)

عبداللہ بن ابی نے کئی مواقع پر حسد کی آگ میں جلتے ہوئے بکواس بکی۔ لیکن حضور ﷺ نے ہمیشہ صبر و تحمل سے کام لیا۔(۴۹)

لوگوں کے دلوں میں جگہ حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے دکھ درد میں شرکت کی جائے آپ ﷺ لوگوں کے گھروں میں جایا کرتے۔ کوئی بیمار ہوتا تو اس کی تیمار داری کے لیے جاتے۔ غائب شخص کی خیریت کے بارے میں پوچھتے۔(۴۹)

ان مثالوں کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے اخلاق کا ایسا نمونہ پیش فرمایا جس پر عمل کرکے ایک مضبوط معاشرے کی بنیادیں رکھی جا سکتی ہیں۔

صلہ رحمی کا حکم:

نبی کریم ﷺ نے دوسروں کے ساتھ تعلق جوڑنے کی ترغیب دی اور تعلق توڑنے والے کی مذمت فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُبْسِطَ لَهُ فِيْ رِزْقِهٖ وَ اِنْ يُنْسَالَهُ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ(۵۰)

جس شخص کو یہ بات بھلی لگے کہ اس کی روزی میں اضافہ ہو اور اس کی عمر بڑھ جائے تو اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی سے کام لے۔

یہ حدیث مبارکہ الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ متعدد مقامات پر بیان ہوئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو بنایا جب اس کام سے فراغت پائی تو رحم (رشتہ) کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ یہ اس کا مقام ہے جو دوسروں سے ناتا توڑنے سے اللہ کی پناہ چاہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں کیا تو اس بات سے خوش نہیں کہ میں اس سے ملوں جو تجھ کو ملا دے (یعنی رشتہ داروں سے میل جول رکھے) اور اس سے اپنا تعلق کاٹ لوں جو تجھے کاٹ دے (رشتہ داروں سے قطع تعلق کرے) رحم بولا میں راضی ہوں اس سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس تجھ کو یہ درجہ حاصل ہوا۔ پھر آپؐ نے فرمایا اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت مبارکہ پڑھ لو کہ اللہ منافقوں سے فرماتا ہے۔ کہ اگر تم کو حکومت ملے تو تم زمین میں فساد پھیلاؤ اور رشتوں کو قطع کرو یہ لوگ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی۔ انہیں بہرا کر دیا اور آنکھوں کو اندھا کر دیا------" (۵۱)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "رحم (رشتہ) عرش کے ساتھ لٹکا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ جو مجھے ملائے گا اللہ اسے ملا دے گا اور جو مجھے کاٹے اللہ اسے اپنے سے کاٹے۔" (۵۲)

حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى اَنَا اللّٰهُ وَاَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَ شَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِيْ فَمَنْ وَ صَلَهَا وَ صَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَ بَسْتُهُ(۵۳)

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں میں اللہ ہوں اور میں رحمٰن ہوں۔ میں نے رشتہ قرابت کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن کے مادہ سے نکال کر اس کو (رشتے کو) رحم کا نام دیا ہے پس جو اسے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو اسے توڑے گا میں اسے

توڑوں گا۔

اللہ تعالیٰ کے جوڑنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ ان سے اپنا تعلق جوڑے گا انہیں اپنا پسندیدہ بندہ بنائے گا۔ انہیں اپنے فضل سے نوازے گا۔اور ظاہر ہے جس کا تعلق ہمہ وقت اللہ سے جڑا ہو' اللہ ان کی ہر مشکل میں مدد کرے گا ان پر ہر لحظہ اللہ کی رحمتیں نازل ہوں گی وہ کوئی دینی یا دنیوی کام کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کام میں ان کا پشت پناہ موجود ہوگا۔ اس کے برعکس شخص سے اللہ کا تعلق ٹوٹ جائے گا۔ ظاہر ہے یہ بہت بڑی محرومی ہوگی۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا(۵۴)

وہ شخص صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا جو (صلہ رحمی کرنے والے اقربا کے ساتھ) بدلہ کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے۔ صلہ رحمی کا صحیح حق ادا کرنے والا شخص وہ ہے جو اس حالت میں بھی صلہ رحمی کرے جب (اس کے رشتہ دار) وہ قطع رحمی کا معاملہ کریں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا "لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ"(۵۵) قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میرے کچھ رشتہ دار ہیں میں ان سے احسان کا برتاؤ کرتا ہوں وہ مجھ سے برا سلوک کرتے ہیں۔ میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں۔ میں بردباری کا مظاہرہ کرتا ہوں لیکن وہ جہالت کا انداز اپناتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے تو اس کے منہ پر جلتی ہوئی راکھ ڈالتا ہے۔ تیرے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ رہے گا جو تمہیں ان پر غالب رکھے گا جب تک تو اسے رویے پر کاربند رہے گا۔(۵۶)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس انتظار میں نہ رہو کہ دوسرے تمہارے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں گے تو تبھی تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہی ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ جب دوسرے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو اس وقت تو تم نے اچھا سلوک کرنا ہی ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ جب دوسرے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہ کریں تو

تم پھر بھی ان سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔(۵۶a)

آپ نے فرمایا:

لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَ كُوْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا وَّلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَ (۵۷)

آپس میں بغض نہ رکھو۔ نہ باہم حسد کرو۔ ایک دوسرے سے دشمنی نہ رکھو اور اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ اور کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ دیر تک قطع تعلق قائم رکھے۔

دیگر احادیث میں مزید ایسے افعال سے منع کیا گیا ہے جو باہم منافرت کا باعث بنتے ہیں۔ مثلاً فرمایا ایاکم والظن تم گمانوں (بدگمانیوں) سے بچو۔بدگمانی ہی باہمی نفرتوں کی بنیاد بنتی ہے۔ فرمایا وَلَا تَجَسَّسُوْا ایک دوسرے کے عیبوں اور رازوں کا کھوج لگانے کے پیچھے نہ پڑے رہو۔ وَلَا تَنَافَسُوْا نہ ایک دوسرے کے معاملات کی ٹوہ میں لگے رہو۔ فرمایا وَلَا تَهَاجَرُوْا ایک دوسرے سے الگ تھلگ قطع تعلق ہو کر نہ بیٹھ جاؤ۔ ایک خرابی یہ بیان کی کہ وَلَا تَنَاجَشُوْا ایک دوسرے کے کئے ہوئے سودے کی قیمت بڑھانے کے لئے بولی کو بڑھانے نہ لگ جاؤ۔ ایک حدیث میں ہے۔ وَلَا تَقَاطَعُوْا ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو۔ (۵۸)

نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَ لَيَالٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَ يُعْرِضُ هٰذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِیْ يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ(۵۹)

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین رات سے زائد تک قطع تعلق کرے۔ اس طرح کہ یہ دونوں ملیں اور یہ ادھر منہ پھیرلے اور وہ ادھر پھیرلے۔

ضرورت مندوں کی مدد:

نبی کریم ﷺ نے اخوت اور بھائی چارے کا جو ماحول پیدا فرمایا وہ محض وقتی اور

جذباتی نہ تھا- آپؐ نے لوگوں کو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کی بنیاد پر آمادہ کیا کہ وہ ایک دوسرے کے کام آئیں- جب تکلیف میں ایک دوسرے کے کام آئیں گے تو ان میں مستقل بنیادوں پر پائیدار بھائی چارہ پیدا ہوگا- یہ بھائی چارہ ایثار اور اپنے پر دوسرے کو ترجیح دینے کے اصول پر قائم ہوا-

آپؐ نے فرمایا:

بیمار کی تیمار داری کرنے والا اس وقت تک جنت کے باغ میں ہوتا ہے جب تک کہ وہ واپس لوٹے- (٦٠)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کہ اے آدم کے بیٹے میں بیمار ہوا تو نے میری تیمار داری نہیں کی- وہ کہے گا کہ اے اللہ میں تیری تیمار داری کیوں کر کرتا تو تو سارے جہاں کا مالک ہے- اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھے معلوم ہے میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا تو نے اس کی خبر نہ لی؟ اگر تو اس کی خبر گیری کے لیے جاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا- اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہ دیا- وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں تجھے کیوں کر کھانا دیتا تو تو رب ہے سارے جہانوں کا- اللہ فرمائیں گے کہ تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا اور تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا- اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا- وہ کہے گا کہ اے اللہ میں تجھے کیوں کر پانی پلاتا تو تو سب جہانوں کا مالک ہے- اللہ فرمائے گا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے اسے پانی نہیں پلایا- اگر تو اسے پانی پلاتا تو اس کا ثواب تو مجھ سے پاتا-(٦١)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کرنا اور اس کی مدد کرنا بظاہر ایک چھوٹا سا عمل ہے لیکن انجام کے اعتبار سے مدد کرنے والے کی نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے- آپ نے فرمایا ایک شخص رستے میں جا رہا تھا کہ اس پر پیاس کا غلبہ ہوا- اسے ایک کنویں کا پتہ چلا وہ اس میں اُترا اور پانی پیا- جب وہ پانی پی کر باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے ہانپ رہا ہے اور مٹی چاٹ رہا ہے اس نے خیال کیا کہ اسے بھی اسی طرح پیاس لگی ہوئی ہے جس طرح مجھے پیاس لگی تھی- وہ پھر کنویں میں اترا- اپنا موزہ پانی میں ڈالا اسے پانی

سے بھرا- منہ سے اسے اٹھایا اور کتے کو پلایا- اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل بہت پسند آیا اور اس کی بخشش کر دی گئی- لوگوں نے پوچھا کہ جانوروں کی خدمت کا بھی اجر ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہر جاندار کی خدمت میں اجر ہے"(۶۲)-

اسی مضمون کی ایک اور روایت بخاری و مسلم میں موجود ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ایک فاحشہ عورت نے اسی طرح کے پیاسے کتے کو پانی پلایا تو اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا-(۶۳)

نبی کریمؐ نے معاشرے کے ضرورت مندوں کی ضروریات کی تکمیل و بہم رسانی کا ایسا نظام جاری فرمایا کہ جس سے ضرورت مندوں کی ضرورتیں بھی پوری ہو جاتی تھیں' ان کی عزت نفس بھی مجروح نہیں ہوتی' مستقل طور پر دینے والا ایک طبقہ اور مستقل طور پر ہاتھ پھیلانے والا ایک طبقہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسا پُرحکمت نظام نافذ کیا کہ اس کے نتیجے میں معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان محبت و الفت کے دائمی رشتے قائم ہوگئے- عموماً دیکھا گیا ہے کہ جب ایک محتاج طبقہ اور دوسرا امراء کا طبقہ پیدا ہو جاتا ہے تو لینے والا طبقہ ذہنی طور پر احساس کمتری اور ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے ذہن میں امراء کے بارے میں ایک رُعب جم جاتا ہے- دوسری طرف طبقہ امراء کے ذہن میں رعونت اور احساس برتری آجاتا ہے- لیکن نبی کریم ﷺ نے مالی تعاون کا جو نظام قائم کیا اس میں دینے والا لینے والے کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ تمہارا شکریہ آپؐ نے ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کا رشتہ قائم کر دیا-

سوچ کا انداز یہ بنا دیا کہ کوئی شخص محض اپنی ذات کے لیے نہیں سوچتا تھا بلکہ اسے دوسروں کی فکر پہلے ہوتی تھی- اپنی فکر بعد میں- اس تعاون کا رشتہ اللہ کی رضا کے ساتھ جوڑ دیا اور ایسا تعاون کرنے والے کے بارے میں فرما دیا کہ وہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے تو لوگ بھاگ بھاگ ایک دوسرے کے کام آتے تھے-

قرآن مجید میں اس سلسلے میں ارشاد ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ○ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ○ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا(۶۴)

اور وہ نیک بندے اللہ کی محبت کی خاطر مسکینوں ' یتیموں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں- پھران پر کوئی احسان نہیں جتلاتے بلکہ کہتے ہیں کہ ہم تو تمہیں بس اللہ ہی کی رضا کی خاطر کھانا کھلاتے ہیں- ہم تم سے اس کا نہ کوئی معاوضہ طلب کرتے ہیں نہ کسی طرح کا شکریہ- ہم تو اپنے پروردگار کی طرف سے خوف رکھتے ہیں ایک سخت اور تلخ دن کا-

اس آیت کریمہ میں مسکین 'یتیم اور اسیر کے الفاظ کا واحد اور نکرہ ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کسی مذہب' مسلک' نسل یا علاقے کی تمیز کے بغیر ہر مسکین یتیم اور اسیر کی امداد کرنا نیکو کاروں کا عام شیوہ ہے- امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں کھانا کھلانا کنایہ ہے ان محتاجوں پر احسان کرنے اور ان کے ساتھ غم خواری کرنے سے- یہ غم خواری چاہے جس طریقے سے بھی ہو- ضروری نہیں کہ کھانا ہی کھلایا جائے تو غم خواری ہوگی- یعنی اطعام الطعام اگرچہ اپنی جگہ بہت بڑی نیکی ہے لیکن کسی حاجت مند کی دوسری حاجتیں پوری کرنا بھی ویسا ہی نیک کام ہے- جیسا بھوکے کو کھانا کھلانا- مثلاً کسی کو کپڑوں کی ضرورت ہے- بیمار ہے ' قرضدار ہے- کھانا کھلانے کو محض ایک مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے- اصل مقصود تو حاجتمندوں کے ساتھ احسان کرنا ان کی خیر خواہی و غم خواری کرنا اور ان کی مدد کرنا ہے-

دوسری جانب سورۃ الحاقۃ کی آیات ۳۰ تا ۳۴ ' سورۃ الماعون کی آیت نمبر ایک تا پانچ- سورۃ المدثر کی آیت نمبر ۴۴ میں جہنم میں ڈالے جانے والے لوگوں کا ایک جرم یہ قرار دیا گیا کہ وہ محتاجوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے-"

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کسی کے پڑوس میں ضرورت مند موجود ہوں اور وہ شخص ان کی مدد کرنے کی بجائے مسجدیں بنانے ان کی تزئین و آرائش کی طرف متوجہ ہو جائے تو اس کا یہ رجحان درست نہیں بلکہ ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا زیادہ ضروری ہے- وہ لکھتے ہیں کہ تیرا کسی مسلمان آدمی کے دل کو خوش کرنا کسی غم زدہ کی مدد کرنا کسی کی تکلیف کو دفع کرنا یا کسی کمزور کی مدد کرنا سو نفل حجوں سے افضل ہے-"(٦٥)

خندہ پیشانی سے پیش آنا:

نبی کریم ﷺ نے مادی مفادات اور محض دنیوی مقاصد ہی کے لیے دوسروں سے محبت و الفت کا تعلق قائم کرنے کی بجائے بے لوث محبت کا تصور دیا۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَحْتَقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَّلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ۔(۶۶)

کسی بھی نیکی کے کام کو حقیر مت جانو۔ اپنے بھائی کو خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بھی نیکی کے کاموں میں سے ہے۔

آپؐ نے اس بات کو رواج دیا کہ اگر کوئی حاجت لے کر آئے تو اول تو خود اس کی اس حاجت کو پورا کر دیا جائے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر دوسرے کے سامنے اس کی سفارش کر دے۔ آپؐ اس کی حوصلہ افزائی فرماتے کہ نیک کام کی سفارش کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر عطا فرمائیں گے۔(۶۷)

عفو و درگزر کا رویہ:

معاشرے کو اخلاق حسنہ کے مظاہرے کے نتیجہ میں لوگوں کو ایک دوسرے قریب کیا جا سکتا ہے۔ ان اخلاقی اقدار میں سے ایک قدر یہ ہے کہ برائی کا جواب اچھائی اور حسن سلوک سے دیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ

برائی ایسے طریقے سے دور کرو جو احسن ہو۔ اس سے وہ شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے وہ تمہارا بہترین دوست بن جائے گا۔

اس کے علاوہ بہت سے مقامات میں دوسروں کو معاف کرنے کا حکم دیا گیا اگرچہ بدلہ لینے کا اختیار دیا گیا لیکن فرمایا کہ بدلے کی بجائے اگر معافی کی راہ اختیار کی جائے تو معاشرتی استحکام کے اعتبار سے زیادہ بہتر نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔ سورۃ النحل کی آیت نمبر۱۲۶ اس سلسلے میں ارشاد ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَاعُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ

لِلصَّابِرِیْنَ
(اگر تم زیادتی کا بدلہ لینا چاہو تو اتنا لے سکتے ہو جتنی زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی ہے لیکن اگر تم صبر سے کام لو تو یہ رویہ صبر کرنے والوں کے لیے انجام کے اعتبار سے بہت اچھا ہوگا۔

اسی مضمون کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر۱۹۴ میں اس انداز سے فرمایا گیا کہ:
جس نے تمہارے ساتھ زیادتی کی تو تم بھی اسی قدر زیادتی کرسکتے ہو جتنی زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی ہے۔

قرآن مجید کے بہت سے مقامات پر اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ زیادتی کرنے والے کو معاف کر دیا جائے۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر۴۰ میں فرمایا فَمَنْ عَفٰی وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ (جس نے معاف کیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے)

گویا اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ زیادتی کا بدلہ نہ لیا جائے بلکہ برائی کا جواب اچھائی سے دیا جائے تو اس کے مثبت نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

معاشرے کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے جو بظاہر چھوٹے چھوٹے اصول دیئے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ عفو و درگزر کی پالیسی اختیار کی جائے۔ آپؐ نے فرمایا:

مَازَادَ اللّٰہُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلاَّ عِزًّا۔ (۶۸)

اسی طرح آپؐ نے فرمایا:

وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلاَّ رَفَعَہُ اللّٰہُ (۶۹)

جو کوئی اللہ کے لیے تواضع اور عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتے ہیں۔

رحم و شفقت کا مظاہرہ:

نبی کریم ﷺ نے افراد معاشرہ کے درمیان تعلق قائم کرنے کے لیے رحمت اور رحم کے رویے کو فروغ دیا۔ آپؐ خود بھی رحمتہ للعالمین ہیں۔ آپؐ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے ثابت

فرمایا کہ محبت و اخوت کے جو رشتے رحمتہ کا رویہ اختیار کرنے سے پروان چڑھتے ہیں وہ مستقل ہوتے ہیں۔

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ' اِرْحَمُوْا اَهْلَ الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ (۷۰)

"جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔ رحمٰن ان پر رحمت کرتا ہے۔ تم اہل زمین پر رحم کرو وہ آسمان میں تم پر رحمت فرمائے گا۔"

لَاتُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ (۷۱)

"رحمت سے محروم نہیں کیا جاتا۔ سوائے اس کے جو بد بخت ہو۔"

مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَ يَعْرِفْ حَقَّ كَبِيْرَنَا فَلَيْسَ مِنَّا (۷۲)

جو چھوٹوں کے ساتھ شفقت نہیں کرتا اور بڑوں کا حق نہیں پہچانتا وہ ہم میں سے نہیں۔

نرم مزاجی کا مظاہرہ:

باہم رویے کے حوالے سے نبی کریم ﷺ نے ہمیں تلقین فرمائی ہے کہ ہمارا باہمی تعلق رفق اور نرمی پر مبنی ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ كُلَّهٗ (۷۳)

جو شخص نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ خیر اور نیکی سے محروم کر دیا گیا۔

اس کا ایک معنی تو یہ ہو سکتا ہے کہ نرمی درحقیقت نیکی ہے جو اس سے محروم ہوا وہ گویا نیکی سے محروم کر دیا گیا۔ ایک دوسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رفق اور نرمی دوسروں کے ساتھ نیکی کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ نیکی کا داخلی دروازہ ہے اگر کسی سے رفق کا عنصر ضائع ہو گیا تو گویا وہ نیکی کرنے کی صلاحیت سے محروم کر دیا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُّحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِیْ عَلَى الرِّفْقِ مَالَا يُعْطِیْ عَلَى الْعُنْفِ۔

(۷۴)

اللہ تعالیٰ نرمی اور خوش خلقی کو پسند فرماتا ہے اور خود بھی نرم ہے اور نرمی کرنے پر ایسا اجر دیتا ہے جو سختی کرنے پر نہیں دیتا اور نہ کسی اور چیز پر۔

آپؐ نے لوگوں کو نرمی کا رویہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الرِّفْقَ لاَ یَکُوْنُ فِیْ شَیْیءٍ الا زانه وَلاَ یَنْزَعُ مِنْ شَیْیِ اِلاَّ شَانَہٗ(۷۵)

جب کسی شخص میں نرمی ہو تو وہ اس کی زینت (اس کی اچھی شہرت و عزت) کا باعث بن جاتی ہے۔ اور جب نرمی نکل جاتی ہے تو اس میں عیب ہی عیب رہ جاتا ہے۔

ایثار و قربانی کا مظاہرہ:

نبی کریم ﷺ نے جو مستحکم معاشرہ قائم فرمایا اس کی بنیاد میں ایثار و قربانی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ایثار ہی وہ ذریعہ ہے جس سے دوسرے کے دل کو جیتا جاسکتا ہے۔ ایثار کی سب سے بڑی مثال خود نبی کریم ﷺ کی اپنی ذات گرامی ہے انصار مدینہؓ نے مہاجرین کے لیے جس ایثار کا نمونہ پیش کیا تھا اس کی مثال تاریخ انسانی سے نہیں مل سکتی۔ کسی نے آپؐ کو ایک چادر دی۔ آپؐ نے اس سے یہ تحفہ قبول فرمالیا۔ ایک غریب نے یہ چادر مانگ لی۔ آپؐ نے بلا چون و چرا یہ چادر اسے عطا فرما دی۔(۷۶) ایک صحابی نے دعوت ولیمہ کرنا تھی حضورؐ کے پاس مانگنے کے لیے آیا۔ آپؐ نے فرمایا (حضرت) عائشہ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری لے آؤ۔ عائشہ صدیقہؓ نے ٹوکری دے دی۔ حالانکہ اس رات خاندان نبویؐ کے لیے کھانے کو کچھ نہ تھا۔(۷۷) ایک غفاری شخص آپؐ کے پاس سائل بن کر آیا۔ آپؐ کے پاس بکری کا دودھ تھا۔ آپؐ نے وہ سائل کو پلا دیا۔ حالانکہ خود اہل خانہ بھوکے سوگئے۔(۷۸)

نبی کریم ﷺ کی تربیت اور انصارؓ و مہاجرین میں محبت کے جذبات کو پروان چڑھانے کے لیے آپؐ نے ان میں ایک دوسرے کے لیے قربانی کرنے اور ایثار سے کام لینے کا جذبہ پیدا کر دیا۔ ایک موقع پر انصارؓ کو مال غنیمت میں سے ایک حکمت کے تحت کچھ نہ دیا گیا۔ آپؐ نے محسوس کیا کہ اس پر کچھ لوگ تردد میں پڑ گئے ہیں۔ اس پر آپؐ نے انصار کو جمع کر کے دلوں کو ہلانے اور گرما دینے والی تقریر ارشاد فرمائی۔ آپؐ نے مخاطبین کی نفسیاتی کیفیات کو بھانپ کر ایسی حکمت عملی اپنائی کہ رہتی دنیا کے لیے ایثار کی روشن علامت بن گئی۔ آپؐ نے فرمایا:

اے انصار کی جماعت! کیا میں جب تمہارے پاس آیا تھا اس وقت تم گمراہ نہیں تھے؟ سو اللہ نے تمہیں ہدایت دی؟ کیا تم غریب نہیں تھے؟ سو اللہ نے میری وجہ سے تمہیں دولت مند بنا دیا؟ کیا اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت نہیں ڈال دی؟ انہوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا اے انصار کی جماعت تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کیا جواب دیں؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہم پر بہت احسان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خدا کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور میں تمہاری تصدیق کروں گا کہ آپ کو آپ کے ہم وطنوں نے نکال دیا تھا مگر ہم نے پناہ دی۔ آپ مفلوک الحال آئے تھے ہم نے اچھا سلوک کیا۔ آپ خوف زدہ آئے تھے ہم نے آپ کو امن دیا۔

آپ بے یارو مددگار آئے تھے ہم نے آپ کی مدد کی (آپؐ نے فرمایا) اے انصار کی جماعت! کیا تم اپنے دلوں میں دنیا کی زینت سجا رہے ہو جس سے میں نے ان لوگوں کی تالیف قلب کی ہے جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں۔ اور میں نے تمہیں اسلام کے اس حصے کے سپرد کر دیا ہے۔ جو اللہ نے تمہارے حصے میں لکھا ہے۔ اے گروہ انصار! کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ لوگ اپنے گھروں میں بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں اللہ کے رسول کو لے جاؤ۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر لوگ ایک راستہ چلنے لگیں اور انصار ساری دنیا سے الگ ایک راستہ اختیار کرلیں تو میں انصار کے راستہ کو پسند کروں گا۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک آدمی بننا پسند کرتا۔ اے اللہ انصار پر رحم کر--- انصار کے بیٹوں پر رحم فرما۔ انصار کے پوتوں پر رحم فرما۔ (آپؐ کے اس خطبہ کے بعد) انصار روتے چلے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں اور کہتے جاتے تھے۔ ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی ہیں۔ ہم اللہ کے رسول ﷺ کی تقسیم پر خوش ہیں۔ (۷۹)

نبی کریم ﷺ نے معاشرے کے ضرورت مندوں کی ضرورتوں کی تکمیل و بہم رسانی کا ایسا نظام جاری فرمایا کہ جس سے ضرورت مندوں کی ضرورتیں بھی پوری ہو جاتی تھیں' ان کی عزت نفس بھی مجروح نہیں ہوتی' مستقل طور پر دینے والا ایک طبقہ اور مستقل طور پر ہاتھ پھیلانے والا ایک طبقہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسا پُر حکمت نظام نافذ کیا کہ اس کے نتیجے میں

معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان محبت و الفت کے دائمی رشتے قائم ہوگئے۔

اللہ کے لئے محبت کا تصور:

نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ آپس میں اخوت و محبت کے تعلقات استوار کریں۔ اگرچہ دنیوی زندگی گزارتے ہوئے ایک دوسرے کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے' لیکن آپؐ نے اس بات کی ترغیب دی کہ مادی مفادات سے بالاتر ہو کر محض اللہ کی مخلوق سے محبت کی بنیاد پر لوگوں سے محبت کی جائے۔ یہ تصورِ محبت و دوستی آج کے مادہ پرستانہ ماحول میں پلنے بڑھنے والے رجحانات کا بہت بڑا توڑ ہے۔ اگر محض مادی مفادات کی خاطر ہم دوسروں سے تعلقات استوار کریں گے تو ہمارے اندر مفاد پرستی' مادہ پرستی اور خود غرضی کے رجحانات ہی پنپیں گے۔ بحیثیت انسان دوسروں کی عزت و قدر و منزلت اور انسانی رشتوں کا تقدس ختم ہوجائے گا کسی انسان کی قدر اور احترام کو ناپنے کا معیار صرف یہی رہ جائے گا کہ اس سے دنیوی زندگی میں کتنے مفادات حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی دنیا میں جب کوئی شخص صاحب اختیار و صاحب منصب ہوتا ہے اسے ہر طرف سے محبت و احترام کرنے والے مل جاتے ہیں لیکن جونہی وہ اس اختیار اور منصب سے الگ ہوتا ہے' لوگ اس سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں اور اس شخص پر جس سے لوگ آنکھیں پھیرتے ہیں اس قدر نفسیاتی طور پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ ذہنی دباؤ کا شکار ہو کر امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس طرح کے لوگ اکثر دوسروں کے سامنے گلہ کرتے سنائی دیتے ہیں کہ سب سلام میں صرف منصب و اختیار کو ہوتے تھے۔"

نبی کریم ﷺ نے دنیوی مادی مفادات کے حصول کے لالچ کے ساتھ دوسروں سے محبت کرنے کی بجائے باہمی محبت کا طریق یہ بتلایا کہ ہم لوگوں سے محبت محض اس لیے کریں کہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں اور ان سے محبت کرکے اللہ کو راضی کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو میرے جلال کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ آج کے دن میں ان کو اپنے عرش

www.KitaboSunnat.com

کے سایہ میں جگہ دیتا ہوں اور آج کے دن میرے عرش کے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہے۔"(۸۰)

حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے آپؐ نے فرمایا:

ایک دفعہ ایک شخص دوسرے سے ملاقات کے لیے دوسری بستی میں گیا اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتے کو کھڑا کر دیا۔ جب وہ فرشتے کے پاس پہنچا تو اس نے اس شخص سے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس بستی میں جا رہا ہوں وہاں میرا بھائی رہتا ہے میں اسے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے پوچھا کہ کیا اس نے تیرے اوپر کوئی احسان کر رکھا ہے؟ کہ اس احسان کی وجہ سے تو اس کے پاس جا رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں اس کا مجھ پر کوئی احسان نہیں ہے۔ میں تو صرف اللہ کی رضا کی خاطر اس سے ملنے کے لیے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے اس سے کہا کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا ایلچی ہوں (اور تجھے بتاتا ہوں کہ) اللہ تجھے اسی طرح پسند کرتا ہے جس طرح تو اپنے بھائی کو اللہ کے لیے چاہتا ہے۔(۸۱)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے مادہ پرستانہ ذہنیت کے تحت محض دنیوی مفادات کی خاطر دوسروں سے محبت کرنے کی بجائے اللہ کی خاطر محض خیر کے کاموں کے فروغ اور انسانوں کی خدمت کے لیے دوسروں سے محبت کرنے کا اصول دیا۔

دنیوی مفادات ہمیشہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اسی لیے لوگوں کے آپس میں اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی محبت ایک غیر متنازعہ بنیاد ہے اسی طرح اللہ کی ذات ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اللہ کی ذات اور اس کی محبت ایک آفاقی چیز ہے۔ لہٰذا اس بنیاد پر جو محبت استوار ہوگی وہ بے لاگ۔ مستقل اور آفاقی ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں اس بنیاد پر ایک دائمی اور آفاقی بھائی چارہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔

آپؐ نے معاشرے کے افراد میں خدمت کا جذبہ پیدا فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر کسی کے پاس کوئی بھی نیکی کا کام کرنے کی توفیق' موقع یا ہمت نہ ہو تو وہ اپنے بھائی کا کوئی نہ کوئی کام کر دے۔ آپؐ نے نقصان کا باعث بننے والی کسی بھی چیز کو رستے سے ہٹا دینے کو بھی نیکی قرار دیا۔ جہاں قرآن مجید نے یہ اعلان کیا کہ "اللہ کے نزدیک عزت والا شخص وہ ہے جو اللہ سے

زیادہ ڈرتا ہے" وہاں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسِ (۸۲)

"لوگوں میں بہتر شخص وہ ہے جو دوسروں کے لیے نفع رسانی کا باعث بنے"

یہ مضمون ایک دوسری حدیث میں یوں بیان ہوا ہے۔ خَيْرُ النَّاسِ اَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ (لوگوں میں بہترین وہ ہے جو ان میں زیادہ نفع رساں ہے۔) مسند احمد میں یہ مضمون یوں بیان ہوا ہے۔ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَنْفَعَ اَخَاهُ بِشَيْئٍ فَلْيَفْعَلْ (تم میں سے جو کسی بھائی کی مدد کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ ایسا کام کرے۔) (۸۲a)

یہ نفع رسانی زندگی کے ہر شعبے میں ہوسکتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ مالی تعاون محتاج کی مدد کرنا' کسی کو قرض دینا قرض کی وصولی میں مہلت اور چھوٹ دینا' کاروباری شراکت' معاشرتی زندگی میں اس کے کسی کام میں اس کی مدد کر دینا' اگر کسی کو مفید اور مناسب مشورے کی ضرورت ہے تو اسے نیک نیتی کے ساتھ مفید مشورہ دینا' کسی کو اخلاقی مدد کی ضرورت ہے تو اس کے ساتھ تعاون کرنا۔ تعلیم و تعلم میں کسی کے ساتھ تعاون کرنا کسی پر آنے والی کسی مصیبت کو دور کرنے میں اس کی مدد کرنا' غرض دوسروں کے لیے مفید اور نفع بخش ہونے کی لاتعداد صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد بھی ہے۔

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (۸۳)

نیکی اور خدا خوفی کے کاموں میں دوسروں کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔

اس آیت کریمہ کا سادہ تر مفہوم یہ ہے کہ اگر اسلامی معاشرے میں کوئی شخص خیر کا کوئی پروگرام لے کر اٹھتا ہے تو معاشرے کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس داعی کا ساتھ دے۔ دوسری طرف اس معاشرے میں ہر داعی الی الخیر کو اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ معاشرے میں ہر قدم پر اس کے ساتھ تعاون کرنے والے لوگ یقیناً موجود ہیں اس لیے وہ بے دھڑک خیر کا پیغام لے کر اٹھ کھڑا ہوسکتا ہے۔ اس طرز پر قائم ہونے والا معاشرہ یقیناً مضبوط اور مستحکم معاشرہ ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے معاشرے میں امن و استحکام اور محبت و اخوت پیدا کرنے کی جو

تدابیر اختیار فرمائیں وہ مستقل اثرات کی حامل تدابیر ہیں۔ ذیل میں نبی کریم ﷺ کی انہی تدابیر کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حفظ مراتب کا لحاظ:

آپ نے معاشرے کے ہر طبقے کے افراد کو عزت و احترام کا مقام دیا۔ بحیثیت انسان تو سب لوگ برابر ہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو عمر اور مرتبہ وغیرہ میں کوئی مقام دیا ہے تو اس کا لحاظ رکھنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ نے معاشرے کے بظاہر کمزور لوگوں کو بھی بحیثیت انسان وقار بخشا۔ معاشرتی ' نسبی یا معاشی طور پر کمزور لوگوں کی آواز کو بھی آپ نے وقعت و وقار بخشا اس کا دُور رس اثر یہ ہوا کہ کسی کے جائز مقام اور اس کے وقار کو تسلیم کرکے اس کا احترام کرنے کی تلقین سے اسے نفسیاتی طور پر مطمئن کر دیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا:

اَنْزِلُوْا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ (۸۴)

"لوگوں کے ان مقام و مرتبے پر رکھو۔"

کئی دفعہ بعض اہم شخصیات دائرہ اسلام میں داخل ہوتیں تو آپؐ نے ان لوگوں کے ساتھ ایسا رویہ اپناتے جو آپ کے ایک ماہر نفسیات اور ایک کامیاب سیاست دان ہونے کا ثبوت مہیا کرتا ہے آپؐ نے دینی مصالح کی خاطر ان لوگوں کو اسلامی سوسائٹی میں عزت و وقار کا مقام دیا۔ انہیں اسلام لانے سے قبل معاشرے میں جس عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا آپؐ نے انہیں اسی طرح کا مقام اسلام کے بعد بھی عطا کیا۔ اس سے اسلام لانے کے بعد انہیں کوئی ناگواری یا نفسیاتی دباؤ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اگر انہیں عزت کا مقام نہ دیا جاتا تو ہو سکتا تھا وہ اسلامی سوسائٹی کے استحکام میں کوئی مسئلہ پیدا کرنے یا انہیں نئے معاشرے میں گھلنے ملنے میں دشواری پیش آتی۔ جب انہیں مناسب مقام ملا تو معاشرے کے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا بلکہ اس کی جگہ وہ جلد ہی اسلامی معاشرے میں جذب ہو کر اگلی صفوں میں کام کرنے لگ گئے۔ ان کی تربیت بھی ہوتی رہی۔ دور جاہلیت کے آثار بھی ان کے اندر سے مٹتے گئے۔ اسی حوالے سے آپؐ نے فرمایا:

خَيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خَيَارُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا (۸۵)

ان میں سے عہد جاہلیت کے معزز لوگ اسلام لانے کے بعد بھی معزز رہیں گے۔
بشرطیکہ وہ اسلامی شریعت کو صحیح طور پر سمجھ لیں۔

حضرت عمرو ابن العاصؓ کو اسلام لانے کے بعد اولین طور پر اسلام لانے والوں کا سردار بنا کر فوجی مہمات میں بھیجا۔ ابو سفیان نے اسلام قبول کیا تو انہیں انعام سے نوازا گیا۔ فتح مکہ کے موقع پر ان کے گھر میں داخل ہونے والے شخص کے لیے امن کا اعلان فرمایا۔ انہیں لشکروں کی سرداری اور گورنری بھی جلدی ہی دے دی گی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو اعزاز واکرام دیتے ہوئے سیف اللہ کا لقب عطا فرمایا۔(۸۶)

معاشرے کے افراد کے درمیان آپؐ نے الفت و محبت پیدا کرتے کے لیے وقتاً فوقتاً مختلف انداز اختیار فرمائے۔ آپ انصارؓ و مہاجرینؓ کے دینی کارناموں کے حوالے ان کی خدمات کا ذکر ایک دوسرے کے سامنے بیان فرماتے۔ ایک دوسرے کی عزت اور قدر و منزلت دلوں میں بٹھانے کے لیے آپؐ نے ان میں سے کبھی کسی کے قبائلی فخر کو بنیاد نہیں بنایا بلکہ دینی کارناموں کا ذکر فرماتے۔ ایک روز اَصحاب احد کے لیے دعاء و استغفار کرنے اور ان کے بارے میں کچھ باتیں بیان کرنے کے بعد فرمایا!

> اے گروہ مہاجرین! انصار سے خیر و فلاح کی نصیحت حاصل کرتے رہنا عام طور پر لوگ زیادتی کرتے ہیں لیکن انصارؓ صرف امرواقعہ پر اکتفا کرتے ہیں یہ میرے راز دان ہیں۔ میں ان پر اعتماد کرتا ہوں۔ اس لیے ان کے اچھے کام کرنے والے کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان میں برائی کرنے والے کی خطا کو معاف کردو۔ (۸۷)

کمزوروں کی دل جوئی:

نبی کریم ﷺ نے معاشرے میں محبت و اخوت پیدا کرتے ہوئے معاشرے کے وہ لوگ جنہیں بالعموم کم مرتبہ سمجھا جاتا ہے' انہیں بھی احترام اور مساوات کا مقام دیا۔ ان کی آواز میں طاقت اور وزن پیدا فرمایا۔ اس سے ان میں اعتماد پیدا ہوا وہ معاشرے کے مؤثر رکن بنے۔ آپ نے استحصال زدہ طبقے کو استحصال سے نجات دلائی۔ غلامی کا ہمیشہ کے لیے سدباب کر دیا۔ آپؐ نے غلاموں سے اچھا سلوک کرنے' جو خود کھائیں اور پہنیں وہی انہیں کھلانے اور

پہنانے کا حکم اپنے آخری خطبہ میں دیا۔ عورتوں کا بھی استحصال ہوتا تھا ان کے حقوق کی خصوصی نگہداشت کا حکم آخری خطبہ میں دیا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی حکمت عملی میں ان استحصال زدہ طبقوں کی بحالی اور ان کے حقوق کے تحفظ کا کس قدر اہتمام موجود تھا۔ جو معاشرہ اپنے کمزوروں کو کمزور رکھنے کی حکمت عملی اپناتا ہے اس میں بالآخر معاشرتی تفاوت پیدا ہو جاتا ہے جو نفرت کا باعث بنتا ہے۔ لیکن آپؐ نے اس تفاوت کی جڑ کاٹ دی۔ آپؐ نے منع فرما دیا کہ کوئی غلام اپنے مالک کو خداوند نہ کہا کرے۔(۸۸) آپؐ نے غلاموں کے بارے میں فرمایا:

"نبی کریم ﷺ نے غلاموں اور ملازمین پر رحم و کرم کا معاملہ کرنے کا حکم دیا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اپنے خادم کی غلطیوں پر اسے کتنی مرتبہ دن میں معاف کیا جائے؟ آپؐ نے فرمایا ستر مرتبہ (۸۸a) آپ نے فرمایا

"یہ غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے انہیں تمہارے ماتحت بنایا ہے۔ سو جس شخص کے ماتحت اس کا بھائی ہو۔ اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے۔ اسے وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ اس سے اتنا کام نہ کروائے جتنا وہ نہ کر سکے۔ اگر ایسا کام دیں تو اس کی اعانت کریں" (۸۹) ایسا بھی ہوا کہ آپ کے سامنے کسی غلام نے اپنے آقا کی شکایت کی۔ آپؐ نے آقا کو سرزنش فرمائی۔ ابو مسعودؓ اپنے غلام کو مار رہے تھے اوپر سے آپ خود تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا: ابو مسعود! جان لو کہ اللہ کو تم پر اس سے زیادہ اختیار حاصل ہے جتنا اس غلام پر تمہیں حاصل ہے۔" (۹۰) یہ درحقیقت انہیں تنبیہہ تھی۔ ابو مسعودؓ نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔ اس طرح کی متعدد مثالیں اور بھی ملتی ہیں۔ آپؐ نے غلاموں کو آزاد کرنے کی تلقین و ترغیب دی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ کافروں کے غلام بھاگ کر آپؐ کے پاس پناہ لیتے۔ آپؐ ان کی آزادی کا بندوبست فرماتے۔(۹۱)

ہمسایوں سے حسن سلوک:

نبی کریمؐ نے جو وحدت پیدا کی اس کی بنیادیں ایسی ہیں کہ انہیں انداز معاشرت کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ ان اصولوں پر جب معاشرت استوار ہوتی ہے تو خود بخود اتحاد و یگانگت

پروان چڑھنے لگتی ہے۔ آپؐ نے محض زبانی کلامی دوسروں سے اچھے اخلاق سے پیش آنے کا حکم نہیں دیا بلکہ عملی زندگی میں بھی دوسروں کے ساتھ تعاون کا حکم دیا ہے۔

گھر کی زندگی کے بعد اگلا مرحلہ ہمسایوں کے ساتھ بہتر تعلقات کی استواری ہے۔ آپؐ نے ایک اینٹ کے اوپر دوسری اینٹ بھی اس انداز سے رکھی کہ پوری عمارت مضبوط بن جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ہمیشہ جبرئیل امین مجھے ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں سمجھا کہ وہ ہمسایہ کو وراثت کے مال میں بھی حق دار بنا دیں گے۔(۹۲)"

حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اے ابوذر! جب تو گوشت پکائے تو شوربہ زیادہ رکھ لے اور اپنے ہمسایوں کا خیال رکھو۔ (گویا کچھ شوربا انہیں بھی بھیج دیا کرو) ایک دوسری روایت میں واضح طور پر لکھا ہے کہ اس شوربے میں سے انہیں بھی کچھ بھیج دیا کرو۔ (۹۳)

حضرت انسؓ روای ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا (اس نے ایمان لانے کا حق ادا نہیں کیا یا اس نے ایمان لانے والوں جیسا طریقہ نہیں اپنایا) جو ایسی حالت میں پیٹ بھر کر رات کو (بے فکر ہو کر) سو جائے کہ اس کے گھر کے ساتھ رہنے والا پڑوسی بھوکا ہو اور اس آدمی کو اس کے بھوکا ہونے کا علم ہو۔(۹۴)

اس مضمون کی دیگر روایات امام بخاری نے الادب المفرد میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے اور امام حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بیان کی ہیں۔

ہمسایوں کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے معجم کبیر طبرانی میں ایک طویل حدیث بیان ہوئی ہے اس میں آپؐ نے ہمسائے کے حقوق گنوائے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

اگر وہ بیمار پڑ جائے تو اس کی عیادت اور خبر گیری کرو۔

اگر فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔

اگر قرض مانگے تو اسے قرض دے دو۔
اگر کوئی برا کام کر بیٹھے تو اس کی پردہ پوشی کرو۔
اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اسے مبارکباد دینے جاؤ۔
اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو اس کے ساتھ ہمدردی کے لیے جاؤ۔
اپنی عمارت اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے۔
اگر تمہارے گھر میں کوئی اچھا کھانا پکے تو ایسا نہ ہو کہ تمہاری ہنڈیا کی مہک اس کے لیے اور اس کے بچوں کے لیے ایذاء کا باعث نہ بنے۔ یعنی اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک اس کے گھر تک نہ جائے۔ سوائے اس کے کہ اس میں سے تھوڑا سا اس کے گھر بھی بھیج دو۔(۹۵)

کنز العمال میں روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"اگر تم پھل خرید کر لاؤ تو اس میں سے پڑوس کے ہاں بھی تحفہ کے طور پر بھیج دو۔
اور اگر ایسا نہ کر سکو تو اسے چھپا کر لاؤ۔ تمہارا کوئی بچہ وہ پھل لے کر باہر نہ جائے
کہ پڑوسی کے بچے اسے دیکھ کر جلن کا شکار نہ ہو جائیں۔(۹۶)

اس کے علاوہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرنے کا حکم بھی ہے۔ اگر انہیں تعلیم دینے' دینی مسائل بتلانے یا کسی مسئلے میں اصلاح کی ضرورت ہے تو ان کی مدد کرنا لازم ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے معاشرے میں سکون و استحکام پیدا کرتے ہوئے ہمسایوں کے جو حقوق بھی بیان فرمائے ان کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ کسی کے ہمسائے اس کے شر سے محفوظ ہوں۔ بخاری شریف میں روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے **وَاللّٰہُ لَا یُؤْمِنُ** یعنی خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ **مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ** آپ نے فرمایا **اَلَّذِیْ لَا یُؤْمِنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ** (۹۷) ایسا شخص جس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے محفوظ نہیں وہ مومن نہیں ہے۔

اس کے دوسری ساتھ مزید فرمایا:
مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَہٗ (۹۸)

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو اذیت نہ دے۔ نہ صرف یہ کہ پڑوسی اس کے شر سے محفوظ ہو بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ پڑوسی کا احترام کیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهٗ(۹۹)

(جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کا احترام و اکرام کرے)

ایک روز دَرِ نبوی ﷺ پر بڑا جذباتی ماحول طاری تھا۔ نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا اور صحابہ کرام آپؐ کے وضو کا استعمال شدہ پانی لے لے کر اپنے جسموں پر مل رہے تھے ظاہر ہے یہ محبت رسول کا ایک جذباتی انداز تھا۔ اور آپؐ بھی صحابہؓ کی اس وارفتگی سے یقیناً متاثر ہوئے ہوں گے۔ آپؐ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ بس اللہ اور رسول ﷺ کی محبت سے ایسا کر رہے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی یہ خوشی اور چاہت ہو کہ اسے اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت نصیب ہو یا اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو محبت ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ان تین باتوں کا اہتمام کرے۔ بات کرے تو سچی کرے۔ جب اس کے سپرد امانت کی جائے تو امانت داری کے ساتھ اسے ادا کرے اور اپنے ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔(۱۰۰) گویا اس جذباتی ماحول میں صحابہؓ کو جو باتیں بتلائی گئیں وہ یقیناً اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

اتحاد و یگانگت کی راہ میں جو چیز رکاوٹ بنتی ہے وہ دوسروں کے جان مال ' عزت و آبرو کا لحاظ نہ رکھنا اور دوسروں کے بنیادی حقوق میں مداخلت کرنا ہے ' اس سلسلے میں بھی نبی کریم ﷺ کے واضح احکام موجود ہیں۔

حوالہ جات

پہلا باب

۱- سلیمان ندوی، سیّد، سیرت النبی ﷺ، اعظم گڑھ، ۱۳۵۲ھ، جلد دوم، صفحہ ۱-۲

۲- حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظامِ حکومت، صفحہ ۷۷

۳- آلِ عمران: ۹۷

۴- العنکبوت: ٦٧ اس سلسلے میں سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۹۷ میں فرمایا جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِلنَّاسِ. کہ اللہ نے عزت والے گھر یعنی کعبے کو لوگوں کے لیے موجب امن مقرر کیا ہے۔

۵- البقرۃ: ١٢٦ مزید ابراھیم: ۲۵

۶- حامد الانصاری، مولانا، اسلام کا نظامِ حکومت، صفحہ ۳۵۴

۷- ایضاً، صفحہ ۳۵۳، ۳۵۴

۸- بخاری، کتاب الایمان، باب فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوْا الصَّلٰوۃَ...... حدیث نمبر ۲۵، مسلم، کتاب الایمان، باب الْاَمْرِ بِقِتَالِ النَّاسَ صفحہ ٦، حدیث نمبر ١٢۴ تا ١٣١، صفحہ ٦٨۴، ٦٨۵

۹- بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل استقبال القبلۃ حدیث نمبر ۳۹۱، صفحہ ۳۴

۱۰- ترمذی، الجامع الترمذی، دارالسلام، سعودی عرب، ابواب الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ، صفحہ ١٨٦٩، حدیث نمبر ٢١٦۵

۱۱- ایضاً، صفحہ ١٨٦٩، حدیث نمبر ٢١٦٦

۱۲- ایضاً، صفحہ ١٨٦٩، حدیث نمبر ٢١٦٧

۱۳- علاء الدین ، علی بن بلینا، صحیح ابن حبان، بیروت المجلد الثالث، ذکر استحوذ الشیطان علی الثلاثة...... حدیث ۲۰۹۸ صفحہ ۲۶۷

۱۴- ابوداؤد ، کتاب الجہاد، الجزء الثالث، باب فی القوم یسافرون یؤمرون احدھم، حدیث نمبر ۲۶۰۸، ۲۶۰۹.

۱۵- احمد، امام ، مسند احمد، جلد چہارم، صفحہ ۱۹۴.

۱۶- المؤطا، کتاب الکلام، باب ماجاء فی اضاعة المال وذی الوجہین

(a)۱۶-ابن عبدالبر ، التمہید، جلد ۲۱، صفحہ ۲۷۲

۱۷- ایضاً، جلد ۲۱، صفحہ ۲۷۴

۱۸- احمد بن حنبل، مسند، جلد اوّل، صفحہ ۱۸۳

۱۹- ایضاً، جلد اوّل، صفحہ ۴۳، تمہید، جلد ۲۱، صفحہ ۲۸۱

۲۰- ایضاً، جلد چہارم، صفحہ ۱۳۰، التمہید، جلد ۲۱، صفحہ ۲۸۰

(a)۲۰-التمہید، جلد ۲۱، صفحہ ۲۸۲

۲۱- ایضاً

۲۲- بخاری، کتاب الصلوٰة، باب فضل صلوٰة الجماعة، دارالسلام، حدیث نمبر ۶۴۵، ۶۴۶

۲۳- ایضاً، ایضاً، حدیث نمبر ۶۴۷

۲۴- ایضاً، حدیث نمبر ۶۴۴

۲۵- شاہ ولی اللہ، حجتہ اللہ البالغہ، حصہ دوم، اردو ترجمہ از مولانا عبدالرحیم، قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۸۳ء، حصہ دوم، صفحہ ۲۱۶

۲۶- ایضاً، صفحہ ۲۲۶، ۲۳۴

۲۷- ایضاً، صفحہ ۲۹۲

۲۸- ایضاً، صفحہ ۲۶۲

۲۹- ایضاً، صفحہ ۳۱۸

۳۰- مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تراحم المؤمنین و تعاطفهم، صفحہ ۱۱۳۰، حدیث نمبر ۲۵۸۵

۳۱- ایضاً، صفحہ ۱۱۳۰، حدیث نمبر ۲۵۸۶

۳۲- ایضاً، حدیث نمبر ۲۵۸۸، ۲۵۸۹

۳۳- بخاری، کتاب الادب، باب تعاون المؤمنین بعضهم بعضا، حدیث نمبر ۶۰۲۶

۳۴- مسلم، کتاب البر، حدیث نمبر ۲۵۸۸، ۲۵۸۹

۳۵- خطیب تبریزی، ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ جلد دوم، صفحہ ۲۱۳

۳۶- بخاری، کتاب الادب، باب لم یکن النبی ﷺ فاحشا، جلد ہفتم، صفحہ ۸۲

۳۷- ابو داؤد سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب حسن العشرۃ، صفحہ ۱۵۷۶، حدیث نمبر ۴۷۹۱

۳۸- ایضاً، صفحہ ۱۵۷۶، حدیث نمبر ۴۷۹۳

۳۹- بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث نمبر ۳، صفحہ ۱

۴۰- ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی خلق النبی، حدیث نمبر ۲۰۱۶

۴۱- شمائل ترمذی، باب ماجاء فی خلقه، ۲۴- ۲۶

۴۲- ایضاً، ۲۱

۴۳- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد اوّل، صفحہ ۳۵۹

۴۴- بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث نمبر ۷، صفحہ ۱

۴۵- مسند احمد، جلد ششم، صفحہ ۲۱۸

۴۶- بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، حدیث نمبر ۴۳۳۶، صفحہ ۳۵۴

۴۷- ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی خلق النبی ﷺ حدیث نمبر ۲۰۱۵، صفحہ ۱۸۵۳

۴۸- خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، مکتبہ الفیصل، ۱۹۹۷ء، صفحہ ۵۷۴

۴۹- ایضاً، صفحہ ۴۷۲

(a)۴۹- ایضاً-

۵۰- مسلم، الجامع الصحیح، کتاب البروالصلہ والادب، باب صلة الرحم و تحریم قطیعتھا حدیث نمبر ۶۵۲۳، ۶۵۲۴، صفحہ ۱۱۲۶، بخاری، کتاب الادب، باب من یبسط لہ فی الرزق لصلة الرحم، حدیث نمبر ۵۹۸۵، صفحہ نمبر ۵۰۷

۵۱- بخاری، کتاب ادب، باب من وصل وصلہ اللہ، حدیث نمبر ۵۹۸۷، صفحہ ۵۰۷، مسلم کتاب البرو الصلة والادب، باب صلة الرحم و تحریم قطیعتھا، حدیث ۶۵۱۸، صفحہ ۱۱۲۶

۵۲- بخاری، کتاب الادب، باب من وصل وصلہ اللہ، حدیث نمبر ۵۹۸۸، ۵۹۸۹، صفحہ ۵۰۷، مسلم، کتاب البروالصلة والادب، باب صلة الرحم، حدیث نمبر ۶۵۱۹، صفحہ ۱۱۲۶

۵۳- ترمذی، جامع ترمذی، کتاب البروالصلج، باب ماجاء فی قطیعة الرحم، حدیث نمبر ۱۹۰۷، صفحہ ۱۸۴۴

۵۴- بخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الادب، باب لیس الواصل بالمکافی صفحہ ۵۰۷، حدیث نمبر ۵۹۹۱

۵۵- بخاری، کتاب الادب، باب اثم القاطع، صفحہ ۵۰۷، حدیث نمبر ۵۹۸۴

۵۶- مسلم، کتاب البروالصلة، باب صلة الرحم و تحریم قطعھا، حدیث نمبر ۶۵۲۵

۵۶a- ترمذی، کتاب البروالصلة باب ماجاء فی الاحسان والعفو حدیث ۲۰۰۷، صحفہ ۱۸۵۳۔

۵۷- مسلم، ایضاً حدیث نمبر ۶۵۲۵، صفحہ ۱۱۲۶

۵۸. ایضاً حدیث نمبر ۶۵۳۶ تا ۶۵۴۱صفحہ ۱۱۲۶

بخاری و، کتاب الادب، باب ماینهی عن التحاسد و التدابر، حدیث نمبر ۶۰۶۴ تا ۶۰۶۶.

۵۹- مسلم، حدیث نمبر ۶۵۳۲، صفحه ۱۱۲۶

۶۰- مسلم، کتاب البر، حدیث نمبر ۶۵۵۴، صفحه ۱۱۲۸

۶۱- مسلم، کتاب البر، باب فصل عیادة المریض، حدیث نمبر ۶۵۵۶، صفحه ۱۱۲۸

۶۲- بخاری، کتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، حدیث نمبر ۶۰۰۹، صفحه ۵۰۹

۶۳- مسلم، کتاب السلام، حدیث نمبر ۵۸۶۰، ۵۸۶۱ صفحه ۱۰۷۶.

۶۴- الدهر: ۸

۶۵- غزالی، امام، احیاء علوم الدین، طبع قاهره، ۱۹۶۷ء، جلد سوم، صفحه ۵۰۶

۶۶- مسلم، کتاب البر والصله، باب استحباب طلاقة الوجه عنداللقاء، حدیث نمبر ۶۶۹۰، صفحه ۱۱۳۶

۶۷- مسلم، کتاب البر والصلة، باب استحباب الشفاعة فیما لیس بحرام، حدیث نمبر ۶۶۹۱، صفحه ۱۱۳۶

۶۸- مسلم، کتاب البر والصلة والادب، باب العفو والتواضع، حدیث نمبر ۶۵۹۲، صفحه ۱۱۳۰

۶۹- ایضاً، حدیث نمبر ۶۵۹۳، صفحه ۱۱۳۰

۷۰- ابو دائود، کتاب الادب، باب فی الرحمة، حدیث نمبر ۴۹۴۱، صفحه ۱۵۸۵

۷۱- ایضاً، حدیث نمبر ۴۹۴۲، صفحه ۱۵۸۵

۷۲- ایضاً، حدیث نمبر ۴۹۴۳، صفحه ۱۵۸۵

۷۳- ابو دائود، کتاب الادب، باب فی الرفق، حدیث نمبر ۴۸۰۹، صفحه ۱۵۷۷

۷۴- ایضاً، حدیث نمبر ۴۸۰۷، صفحه ۱۵۷۷

۷۵- ایضاً' حدیث نمبر ۴۸۰۸' صفحہ ۱۵۷۷

۷۶- بخاری' کتاب الادب' باب حسن الخلق

۷۷- مسند احمد' جلد ششم' صفحہ ۲۷۹

۷۸- ایضاً' جلد ششم' صفحہ ۲۹۷

۷۹- ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' جلد چہارم' صفحہ ۱۴۲

۸۰- مسلم' کتاب البر'والصلۃ باب فضل الحب فی اللہ' حدیث نمبر ۶۵۴۸' صفحہ ۱۱۲۷

۸۱- ایضاً' حدیث نمبر ۶۵۴۹' صفحہ ۱۱۲۷

۸۲- علی المتقی' کنز العمال'حدیث نمبر ۴۴۱۵۴

۸۲a- ایضاً' حدیث نمبر ۴۳۰۶۵' مسند احمد ' جلد سوم حدیث نمبر ۴۴۱۵۴' صفحہ ۳۹۳.

۸۳- المائدۃ: ۳

۸۴- ابوداؤد' کتاب الادب' باب فی تنزیل الناس منازلھم' حدیث ۴۸۴۲' صفحہ ۱۵۷۹

۸۵- مسلم' کتاب فضائل الصحابہ' باب خیارالناس' حدیث نمبر ۶۴۵۴' صفحہ ۱۱۲۰

مزید ایضاً' کتاب البروالصلۃ' باب الارواح جنودمجندۃ' حدیث نمبر ۶۷۰۹' صفحہ ۱۱۳۷

۸۶- ابن سعد' الطبقات الکبریٰ' جلد دوم صفحہ ۱۳۱' ۱۳۵

۸۷- ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' جلد چہارم' صفحہ ۳۰۰

۸۸- ابو دائود' کتاب الادب' باب لا یقول المملوک ربی وربتی حدیث نمبر ۴۹۷۵ تا ۴۹۷۷

مزید مسلم' کتاب الفاظ' من الادب' حدیث نمبر ۵۸۷۴ تا ۵۸۷۶.

۸۸a- ترمذی ، کتاب البر والصلة' باب ماجاء فی العفو عن الخادم' حدیث نمبر ۱۹۴۹ صفحہ ۱۸۴۸

۸۹- ترمذی' کتاب البروالصلة' باب ماجاء فی الاحسان الی الخادم' حدیث ۱۹۴۵ صفحہ ۱۸۴۷ ابن ماجہ' کتاب الادب' باب الاحسان الی الممالک ' حدیث نمبر ۳۶۹۰' صفحہ ۲۶۹۷.

۹۰- ترمذی' کتاب البر' باب النهی عن ضرب الخادم حدیث نمبر ۱۹۴۸' صفحہ ۱۸۴۸.

۹۱- ابوداؤد' کتاب الجهاد' باب فی عبید المشرکین یلحقون بالمسلمین حدیث نمبر ۲۷۰۰ صفحہ ۱۴۲۴

۹۲- بخاری' کتاب الادب' باب الوصاة بالجار' حدیث نمبر ۶۰۱۴ اور ۶۰۱۵' صفحہ ۵۰۹

۹۳- مسلم کتاب البر' باب الوصیة بالجار' حدیث نمبر ۶۶۸۸' صفحہ ۱۱۳۶

۹۴- طبرانی' معجم کبیر'

۹۵- طبرانی' معجم اوسط'

۹۶- علی المتقی' کنزالعمال

۹۷- بخاری' کتاب الادب' باب اثم من لایؤمن جاره بوائقه' حدیث نمبر ۶۰۱۶' صفحہ ۵۰۹

مسلم' کتاب الایمان' باب تحریم ایذاء الجار' حدیث نمبر ۱۷۲' صفحہ ۶۸۸

۹۸- بخاری' کتاب الادب' باب من کان یؤمن بالله والیوم الاخر فلایؤذجاره حدیث نمبر ۶۰۱۸' صفحہ ۵۰۹

۹۹- ایضاً' حدیث نمبر ۶۰۱۹' حدیث نمبر ۵۰۹

۱۰۰- معجم کبیر طبرانی

دوسرا باب

انسانی حقوق کا تحفظ اور قیام امن

امن و اتحاد قائم کرنے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے کے بنیادی انسانی حقوق کا احترام کرے۔ اگر ہر شخص دوسرے کے بنیادی انسانی حقوق' جن میں خاص طور پر جان۔ مال۔ عزت و آبرو شامل ہیں' کا خیال رکھا جائے گا تو ہر کوئی دوسرے کی زیادتیوں سے محفوظ رہ سکے گا۔ اس سلسلے میں زبان کو درست طور پر استعمال کرنا' کسی کے خلاف زیادتی نہ کرنا' کسی کا حق نہ کھانا اور دیگر بہت سے احکام دیئے گئے ہیں۔ تاکہ دوسروں کے بنیادی حقوق متاثر نہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے انسانی جان کی عزت و حرمت کا تصور دیا اور ہر شخص کو یہ باور کرایا کہ وہ دوسروں کی عزت کرے' دوسرے اس کی عزت کریں گے۔ فرمایا:

كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ(۱)

مسلمان کی ہرچیز مسلمان پر حرام ہے اس کا خون (جان) اس کا مال اور اس کی عزت و آبرو۔

حجتہ الوداع کے موقع پر آپؐ نے فرمایا:

فَاِنْ دِمَاءَ كُمْ وَاَمْوَالكُمْ وَاِعْرَاضُكُمْ حَرَامٌ اِلٰى اَنْ تُلْقُوْا رَبَّكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا(۲)

بلاشبہ تمہاری جان و مال اور آبرو ایک دوسرے کے لیے اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ آج کا دن' حتیٰ کہ تم اللہ کے ساتھ جاملو۔

نبی کریم ﷺ نے ہر مسلمان پر فرض قرار دیا کہ وہ دوسرے مسلمان کی جان مال اور

عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْمُسْلِمُ اَخُوْا الْمُسْلِمِ لاَ يَظْلِمُهٗ وَلاَ يَخْذُلُهٗ وَلاَ يُحَقِّرُهٗ التَّقْوٰى هٰهُنَا (وَيُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ) بِحَسْبِ اِمْرِءٍ مِنَ الشَّرِّاَنْ يُحَقِّرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ(۳)

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اس لیے نہ خود اس پر ظلم وزیادتی کرے نہ اسے اس حال میں بے یارو مددگار چھوڑے کہ دوسرا اس پر ظلم کرے نہ اس کی تحقیر کرے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے سینہ کی طرف تین مرتبہ اشارہ کیا اور فرمایا تقویٰ یہاں ہے" کسی مسلمان کے لیے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی بھائی کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔ مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لیے حرام ہے (یعنی اس پر دست درازی حرام ہے) اس کا خون (اس کی جان) اس کا مال اور اس کی آبرو بھی حرام ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اس فرمان مبارک میں ایک بہت بڑی نفسیاتی حقیقت کا ذکر فرمایا اور اس حقیقت کی نشان دہی فرما کر ہمیں باہمی معاملات میں تقویٰ اور خدا خوفی کو ہر وقت ذہن میں رکھنے کا حکم دیا۔ اگر دل میں اللہ کا خوف ہو گا تو انسان کسی کے ساتھ زیادتی سے باز رہے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے اور وہ میرا مؤاخذہ کرے گا۔ انسان کی یہ کمزوری ہے کہ جب تک اس کے ذہن میں مؤاخذے اور مسئولیت کا خوف نہ ہو' وہ بالعموم برے کام سے رکتا نہیں۔ قانون کی گرفت اور سزا کا خوف لوگوں کو برائی سے باز رکھتا ہے۔ اگر کسی سے کوئی معاملہ اور لین دین کرتے وقت اللہ کا خوف ہو گا تو وہ اس وقت بھی زیادتی سے باز رہے گا جب اسے کوئی نہیں دیکھ رہا ہو گا۔ لوگوں کے حقوق کی حدیں ایک دوسرے کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ اگر اس سلسلے میں کمال احتیاط سے کام نہ لیا جائے تو انسان دوسروں کے حقوق کی حدود میں داخل ہو سکتا ہے' اس میں نیت کا کھوٹ بھی اگر شامل ہو جائے تو پھر بڑی آسانی کے ساتھ دوسروں کا استحصال کر سکتا ہے۔ اگر دل میں خوف خدا ہو گا تو خود ہی احتیاط سے کام لے گا۔

دوسرے مسلمانوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا نبی کریم ﷺ کی نگاہ میں کس قدر

اہم ہے اس کا اندازہ اس حدیث پاک کی روشنی میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

مَامِنْ اَمْرِءٍ مُسْلِمٍ يَخْذُلُ امْرَاءً مُسْلِمًا فِيْ مَوْضِعٍ يُنْتَهَكُ فِيْهِ حُرْمَتُهٗ وَ يُنْتَقَصُ فِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اِلَّا خَذَلَهُ اللّٰهُ فِي مَوْطِنٍ يُحِبُّ فِيْهِ نُصْرَتَهٗ وَمَا مِنْ اِمْرِءٍ يَنْصُرُ مُسْلِمًا فِيْ مَوْضِعٍ يُنْتَقَصُ فِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ وَ يُنْتَهَكُ فِيْهِ مِنْ حُرْمَتِهٖ اِلَّا نَصَرَهُ اللّٰهُ فِيْ مَوْطِنٍ يُحِبُّ نُصْرَتَهٗ(۴)

جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کسی ایسے موقع پر بے یارو مددگار چھوڑے گا جس میں اس کی عزت پر حملہ ہو اور اس کی بے عزتی کی جاتی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ایسی جگہ اپنی مدد سے محروم کردے گا جہاں اسے اللہ کی مدد کی ضرورت ہوگی اور جو مسلمان کسی مسلمان کی ایسے موقع پر مدد اور حمایت کرے گا جہاں اس کی عزت و آبرو پر حملہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر اس کی مدد فرمائے گا جہاں وہ اس کی نصرت کا خواہش مند اور طلب گار ہوگا۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَسْتُرُ اللّٰهُ عَلٰى عَبْدٍ فِي الدُّنْيَا اِلَّا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۵)

کسی شخص کے عیوب کو دنیا میں چھپانے والے کے عیوب کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز چھپالیں گے۔

یہی بات دوسرے الفاظ کے ساتھ یوں بھی وارد ہے۔

لَا يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِي الدُّنْيَا اِلَّا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ(۶)

نہیں چھپاتا کوئی بندہ کسی دوسرے بندے کی غلطیوں کو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیوب کو چھپا کر رکھیں گے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنِ اغْتِيْبَ عِنْدَهٗ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ فَنَصَرَهٗ نَصَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَاِنْ لَمْ يَنْصُرْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ اَدْرَكَهُ اللّٰهُ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ؟

جس شخص کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور وہ اس کی حمایت

www.KitaboSunnat.com

اور مدد کرسکتا ہو اور وہ اس کی مدد کرے (اسے غیبت کرنے سے روکے یا غیبت کا جواب دے کر دوسرے کی مدافعت کرے۔ اور اصل صورت حال کی وضاحت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا اور اگر قدرت ہونے کے باوجود وہ اس کی مدد نہ کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی گرفت کریں گے۔

اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے اس طرح بھی بیان فرمایا:

مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ اَخِيْهِ بِالْمَغِيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُعْتِقَهٗ مِنَ النَّارِ(۸)

جس شخص نے اپنے کسی مسلمان بھائی کے خلاف کی جانے والی غیبت اور بدگوئی کی اس کی عدم موجوگی میں مدافعت کی تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ وہ اسے جہنم کی آگ سے آزادی بخشے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَامِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهُ اَنْ يَرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ قَلاَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ(۹)

جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلم بھائی کی آبرو پر ہونے والے حملے کا جواب دے تو اللہ تعالیٰ کے ذِمہ ہے کہ وہ قیامت کے دن اسے جہنم کی آگ سے دور کریں پھر اس کی تائید میں آپؐ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایمان والوں کی مدد کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ اَرَاهُ قَالَ: بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِىْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ نَّارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْئٍ يُرِيْدُ شَيْنَهٗ بِهٖ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جَسَرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ۔(۱۰)

جس نے کسی منافق (بددین) کے شر سے کسی بندہ مومن کی حمایت کی (مومن کے مبنی برحق نقطہ نگاہ کی حمایت کی یا منافق کے مقابلے میں اس کی تائید کی) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے

دن ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو اس کے گوشت (جسم) کو جہنم کی آگ سے بچائے گا۔ اور جس نے کسی مومن بندے کو بدنام کرنے اور گرانے کے لیے اس پر کوئی الزام لگایا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کے پل پر قید کر دے گا۔ جب تک کہ وہ سزا بھگت کر اپنے الزام کی گندگی سے پاک وصاف نہ ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُوْا الْمُؤْمِنِ یَکُفُّ عَلَیْهِ ضَیْعَتَهٗ وَیَحُوْطُهٗ مِنْ وَّرَآئِهٖ (۱۲)

ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینے کی مانند ہے اور ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے وہ اس کی تکلیف اور ضرر کو اس سے دور کرتا ہے اور اس کی عدم موجودگی میں اس کی (عزت، جان، مال وغیرہ کی) حفاظت کرتا ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں بڑے بلیغ نکات موجود ہیں۔ آئینے کا کام یہ ہے کہ وہ دیکھنے والے کو اس کے چہرے کا ہر داغ دھبہ اور بدنما داغ دکھا دیتا ہے۔ اس عیب کا علم صرف اسی کو ہوپاتا ہے جو آئینہ دیکھ رہا ہوتا ہے۔ کسی دوسرے کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ یہاں آئینہ کہہ کر سمجھایا گیا ہے کہ کسی مسلمان بھائی کے اندر اگر کوئی کمزور پہلو موجود ہے تو راز داری کے ساتھ اسے اس سے آگاہ کر دے۔ اس کے عیب کی تشہیر نہ کی جائے۔ فرمان نبویؐ میں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی کہہ کر اس طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ جو انسان اپنی چیزوں کو کسی نقصان آفت اور تباہی سے بچانا چاہتا ہے اور اس کے لیے وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ اس کی کسی چیز کو کوئی نقصان نہ پہنچے اسی طرح دوسرے لوگ اس کے بھائی ہیں اسے اُن کی چیزوں کی بھی حفاظت کرنی چاہیے۔ آپ نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ اَخُوْالْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یُسْلِمُهٗ مَنْ کَانَ فِیْ حَاجَةِ اَخِیْهِ کَانَ اللّٰهُ فِیْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا کُرْبَةً مِّنْ کُرَبِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (۱۳)

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا نہ خود اس پر ظلم و زیادتی کرے نہ دوسروں کے ظلم و زیادتی کا نشانہ بننے کے لیے اسے بے یار و مددگار چھوڑ دے۔ نہ

اس کی تحقیر کرے اور جو کوئی اپنے مسلمان ضرورت مند بھائی کی ضرورت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرے گا۔ جو کوئی کسی مسلمان کو کسی تکلیف اور مصیبت سے نجات دلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے کسی مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا فرمائے گا۔ اور جو کوئی کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیبوں کو پردہ میں رکھیں گے۔ آپؐ نے فرمایا:

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ عَلٰى مُسْلِمٍ سَتَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَاكَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ (۱۴)

جب کسی نے کسی مسلمان کی دنیوی تکلیف میں اس کی مدد کرکے اسے اس تکلیف سے نجات دلائی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مدد کرکے اسے مصیبت سے نجات دلائیں گے اور جس نے کسی کی مصیبت میں اس کے لیے آسانی اور سہولت پیدا کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لیے آسانیاں پیدا فرما دیں گے۔ اگر کسی نے کسی مسلمان کے عیبوں کو پردے میں رکھا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے عیبوں پر پردہ ڈالے رکھیں گے۔اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک کہ وہ بندہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔

آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَرْبَى الرِّبٰو الْاِسْتِطَالَةَ فِي عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ (۱۵)

تمام قسم کی زیادتیوں سے زیاہ بڑی زیادتی یہ ہے کہ کوئی شخص ناحق کسی مسلمان کی عزت کے بارے میں زبان طعن دراز کرے۔

آپ نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَكْبَرِ الْكَبَائِرِ اسْتِطَالَةَ الْمَرْءِ فِيْ عِرْضِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ وَمِنَ الْكَبَائِرِ السَّبَّابِ بِالسَّبَّةِ (۱۶)

بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ یہ ہے کہ انسان کسی مسلمان شخص کی عزت کو (خاک میں ملانے کے لئے) بلاوجہ زبان درازی کرے اور بڑے گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ گالی کے بدلے گالی دی جائے۔ آپؐ نے فرمایا:

لَمَّا عُرِجَ بِیْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ اَظْفَارٌ مِّنْ نُحَاسٍ یَخْمِشُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَصُدُوْرَھُمْ فَقُلْتُ مَنْ ھٰؤُلَآءِ یَاجِبْرِیْلُ؟ قَالَ ھٰؤُلَآءِ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَیَقَعُوْنَ فِیْ اِعْرَاضِھِمْ۔(۱۷)

مجھے جب معراج پر لے جایا گیا تو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے تانبے کے ناخن ہیں اور اپنے چہروں اور سینوں کو کھرچ رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں اے جبریل؟ انہوں نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں۔ اور ان کی عزت و آبرو کے درپے رہتے ہیں۔ (گوشت کھانے میں اشارہ غیبت کی طرف ہے کہ قرآن نے غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا ہے۔) سعد بن معاویہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

اِنَّکَ اِنْ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَّھُمْ اَوْکِدْتَّ اَنْ تُفْسِدَھُمْ۔(۱۸)

اگر تو لوگوں کے رازوں کے پیچھے پڑے گا تو انہیں (لوگوں کو یا رازوں کو) خراب کر دے گا۔

ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز سے خطاب فرمایا:

یَامَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِہٖ وَلَمْ یُفْضِ الْاِیْمَانَ اِلٰی قَلْبِہٖ لَا تُؤْذُوْا الْمُسْلِمِیْنَ وَلَا تُعَیِّرُوْھُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِھِمْ فَاِنَّہٗ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَۃَ اَخِیْہِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ وَمَنْ یَتَّبِعِ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ یَفْضَحُہٗ وَلَوْ فِیْ جَوْفِ رَحْلِہٖ" قَالَ وَنَظَرَ ابْنُ عُمَرَ یَوْمًا اِلَی الْبَیْتِ اَوْ اِلَی الْکَعْبَۃِ فَقَالَ مَا اَعْظَمَکَ وَاَعْظَمَ حُرْمَتَکَ وَالْمُؤْمِنُ اَعْظَمُ حُرْمَۃً عِنْدَ اللّٰہِ مِنْکَ(۱۹)

اے وہ لوگو جنہوں نے اسلام زبان سے قبول کیا ہے اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا' مسلمانوں کو اذیت نہ دو۔ نہ انہیں خوف زدہ کرو نہ اس کے رازوں

کے پیچھے پڑو- کیونکہ وہ شخص جو کسی کے رازوں کے پیچھے پڑتا ہے تو اللہ اس کے رازوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اللہ جس کے عیبوں کے پیچھے پڑ جاتا ہے تو اسے رسوا کر دیتے ہیں اگرچہ وہ اپنے گھر میں ہی کیوں نہ ہو- ابن عمرؓ نے ایک دن بیت اللہ کی جانب نگاہ ڈالی اور کہا کہ تیری عظمت کتنی بلند ہے اور تیری عزت کتنی زیادہ ہے لیکن ایک مومن کی عزت اللہ کے نزدیک تیری عظمت سے بھی زیادہ ہے۔

دوسرے مقام پر آپ نے فرمایا:

يَامَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ قَلْبَهٗ لَا تَغْتَابُوْا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ فِيْ بَيْتِهٖ(۲۰)

اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو اور ایمان ابھی دلوں میں راسخ نہیں ہوا' مسلمانوں کو تنگ نہ کرو اور نہ دوسرے لوگوں کے رازوں کے پیچھے نہ پڑو- کیونکہ جو کسی کے رازوں کے درپے ہوتا ہے تو اللہ بھی اس کے رازوں کو ظاہر کرانے کے پیچھے ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کے رازوں کو ظاہر کرنے پر آجائیں تو اسے گھر کے اندر بھی ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں۔

اس کے برعکس بھی آپؐ نے فرمایا:

مَنْ رَاٰی عَوْرَةً فَسَتَرَهَا كَانَ كَمَنْ اَحْيَا مَوْؤُدَةً۔(۲۱)

جس کسی نے کسی کا کوئی عیب دیکھا اور اسے چھپائے رکھا تو گویا اس نے اتنا بڑا کام کیا کہ گویا زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو قبر سے نکال لیا۔

عن ابی ہریرة قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم المسلم اخو المسلم لا یخونه ولا یکذبه ولا یخذله کل المسلم علی المسلم حرام عرضه وماله ودمه التقویٰ ھٰھنا بحسب امری من الشر ان یحتقر اخاہ المسلم۔(۲۲)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس کے ساتھ خیانت کرے نہ اس کے ساتھ جھوٹ بولے نہ اسے ذلیل کرے۔

کسی مسلمان کے لئے کسی مسلمان کی عزت مال اور خون حرام ہے۔

تقویٰ یہاں (دل میں) ہوتا ہے کسی شخص کے برا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان کی تحقیر کرے۔ آپ نے فرمایا:

مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّار۔ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔(۲۳)

جس شخص نے کسی بھائی کی عزت کی حفاظت کی اللہ قیامت کے دن اس سے جہنم کی آگ کو دور کر دیں گے۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ لَّا يَهْتَمُّ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَّمْ يُصْبِحْ وَ يُمْسِیْ نَاصِحًا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَلِكِتَابِهٖ وَلِاِمَامِهٖ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ(۲۴)

جسے مسلمانوں کے مسائل و معاملات کی فکر نہ ہو وہ ان میں سے نہیں ہے اور جس شخص کا حال یہ ہو کہ وہ ہر دن اور ہر صبح و شام اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی کتاب اور اس کے امام کا اور عام مسلمانوں کا خیر خواہ اور مخلص و وفادار نہیں' تو وہ شخص مسلمانوں میں سے نہیں۔

احادیث میں' جہاں اس طرح کے الفاظ استعمال ہوئے ہوں کہ فلاں بندہ مومنین میں سے نہیں یا ہم میں سے نہیں ہے تووہاں دراصل یہ بتلایا جاتا ہے کہ اس کا یہ فعل مومنوں والا فعل نہیں ہے یا وہ ضعیف اور کمزور ایمان والا ہے۔ اسے اس کمی کو پورا کرکے اپنے ایمان کی تکمیل کرنی چاہیے۔ اس اعتبار سے ایک اسلامی سوسائٹی کا ہر فرد اس بات کا مکلف ہے کہ وہ صرف اپنے ہی مفادات نگاہ میں رکھ کر زندگی نہ گزارے بلکہ اور لوگوں کے مصائب و مشکلات پر بھی اسے نگاہ رکھنی چاہیے۔ اسے اسلامی سوسائٹی کا فرد ہوتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا عملی نمونہ ہونا چاہیے کہ "مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اگر ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم اس تکلیف کے اثرات کو محسوس کرتا ہے۔" اسلامی سوسائٹی کے ہر فرد کو دوسرے افراد کا درد محسوس کرنا چاہیے۔ اس حدیث پاک میں جہاں اخوت اسلامی اور افراد کے باہمی تعاون پر روشنی پڑتی ہے وہاں اس طرف بھی اشارہ ملتا ہے کہ ہر مومن کو

معاشرے کے رفاہی و فلاحی امور میں دلچسپی لینی چاہیے اور وہ سوسائٹی کے انفرادی و اجتماعی مسائل سے الگ تھلگ نہ بیٹھا رہے۔ جب ایک شخص دوسروں کا مخلص اور وفادار ہوگا تو ہر فرد دوسرے کے شر سے بھی محفوظ رہے گا بلکہ اس سے اسے خیر ہی کی توقع ہوگی اگر پورے معاشرے میں یہ روح جاری ہوگی تو لازماً وہ معاشرہ متحد و مربوط بن جائے گا۔ اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے اسی انداز میں بیان فرمایا کہ:

لَا یُؤمِنُ احدکم حَتّٰی یُحِبُّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ(۲۵)

کوئی بندہ سچا مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق بیان فرمائے ہیں ان میں سے دو حقوق یہ بھی ہیں کہ جو اپنے لئے پسند کرے وہ دوسرے کے لئے بھی پسند کرے اور دوسرے یہ کہ ہر کوئی دوسرے کی موجودگی اور غیر موجودگی میں اس کا خیر خواہ بنے۔ خیر خواہی کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ اس میں ایک دوسرے کے لئے اچھے جذبات رکھنا۔ اس کے لئے اچھا سوچنا۔اس کے فائدے کے لئے کام کرنا اس کی اخلاقی مدد کرنا۔ اچھا مشورہ دینا۔ اسے نقصان سے بچانے کے لئے بروقت اس کی راہنمائی کرنا کسی کی موجودگی اور عدم موجودگی میں اس کی عزت۔ جان مال کی حفاظت کرنا شامل ہے۔

نبی کریم ﷺ نے انسانی جان کی حرمت و عظمت کا تصور دیا اور اس پر دست درازی کی ممانعت فرمائی۔ ابن ماجہ میں دو روایات بیان کی گئی ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ دوسرے شخص نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔ اسے قتل کر دیا' تو قاتل کے مرنے کے بعد اس کی قبر نے اسے قبول نہ کیا اور اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ اس واقعے کا ذکر نبی کریم ﷺ کے سامنے کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا زمین تو اس سے بدتر شخص کو بھی قبول کرلیتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ دکھایا ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی حرمت کس قدر زیادہ ہے۔(۱۷)

حجتہ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلَا اِنَّ اَحْرَمَ الْاَیَّامِ یَوْمِکُمْ هٰذَا اَلَا وَاِنَّ اَحْرَمَ الشُّهُوْرِ شَهْرُکُمْ هٰذَا اِلَا

وَاِنَّ اَحْرَمَ الْبَلَدِ بَلَدُكُمْ هٰذَا اِلَا وَاِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَاَمْوَالُكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا-(۲۷)

آگاہ رہو سب دنوں میں زیادہ حرمت والا دن یہ دن (یوم العرفہ) ہے اور سب مہینوں میں زیادہ حرمت والا مہینہ یہ ہے- آگاہ ہو جاؤ سب شہروں میں زیادہ حرمت والا شہر یہ ہے (مکہ معظمہ) آگاہ رہو تمہارے خون اور مال ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت ہے اس مہینے میں اس شہر میں-

حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ طواف فرمارہے تھے اور فرمارہے تھے-

مَا اَطْيَبَكَ وَاَطْيَبَ رِيْحَكَ مَا اَعْظَمَكَ وَاَعْظَمَ حُرْمَتِكَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ كَحُرْمَةِ الْمُؤْمِنِ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ حُرْمَةً مِّنْكَ مَالِهٖ وَدَمِهٖ وَاَنْ نَّظُنَّ بِهٖ اِلَّا خَيْرًا (۲۸)

تیری خوشبو کس قدر عمدہ ہے اور کیسی ہے تیری تعظیم اور کیسی بڑی ہے حرمت تیری- قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے مومن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ ہے یعنی اس کے مال و جان کی- گمان نہ کریں ہم مومن کے ساتھ مگر بہتر-

آپؐ نے فرمایا:

مومن کا درجہ اللہ کے نزدیک بعض بعض فرشتوں سے بھی زیادہ ہے-(۲۹)

حوالہ جات

دوسراباب

۱- مسلم، کتاب البر، باب تحریم الظلم المسلم

۲- ابن ھشام، السیرۃ النبویہ، جلد چھارم، صفحہ ۲۵۰

۳- مسلم، کتاب البر، باب تحریم ظلم المسلم و خذلہ احتقارہ و دمہ و عرضہ حدیث نمبر ۶۵۴۱

۴- ابو دائود، سنن ابو دائود، کتاب الادب، باب الرجل بذب من عرض اخیہ حدیث نمبر ۴۸۸۴ صفحہ ۱۵۸۱۔

۵- مسلم باب البر، باب بشارۃ من ستر اللہ، تعالیٰ علیہ فی الدنیا...... حدیث نمبر ۶۵۹۴، صفحہ ۱۱۳۰

۶- ایضاً، حدیث نمبر ۶۵۹۵، صفحہ ۱۱۳۰

۷- بغوی، شرح السنۃ معارف الحدیث ۶/۱۳۷، حدیث نمبر ۱۱۴۔

۸- بیھقی، ابوبکر احمد بن الحسین۔ شعب الایمان ۶/۱۳۶ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰، جلد ششم حدیث نمبر ۷۶۴۳۔

۹- بغوی، شرح السنۃ معارف ۶/۱۳۷، حدیث نمبر ۱۱۲۔

۱۰- ابو دائود، کتاب الادب، باب الرجل، یذب عن عرض اخیہ حدیث نمبر ۴۸۸۳، صفحہ ۱۵۸۱۔

۱۱- ایضاً، حدیث نمبر ۴۸۸۴، صفحہ ۱۵۸۱

۱۲- ایضاً، کتاب الادب، باب فی النصیحۃ، حدیث نمبر ۴۹۱۸، صفحہ ۱۵۸۴

۱۳- ایضاً، باب مؤاخاۃ، حدیث نمبر ۴۸۹۳

۱۴- ایضاً، کتاب الادب، باب فی المعونۃ للمسلم، حدیث نمبر ۴۹۴۶، صفحہ ۱۵۸۵

ترمذی، کتاب البر والصلہ، باب ماجاء فی ستر علی المسلم، حدیث نمبر ۱۹۳۰ء، صفحہ ۱۸۴۲

۱۵. ابو دائود، کتاب الادب، باب فی الغیبة حدیث ۴۸۷۶، صفحہ ۱۵۸۱

۱۶. ایضاً ۴۸۷۷.

۱۷. ایضاً، ۴۸۷۸،

۱۸. ایضاً باب فی الحبس، حدیث نمبر ۴۸۸۸، صفحہ ۱۵۸۲.

۱۹. جامع ترمذی، کتاب البر والصلہ باب ماجاء فی تعظیم المومن. حدیث نمبر ۲۰۳۲، صفحہ ۱۸۵۵.

۲۰. ابو دائود، کتاب الادب، باب فی الغیبة، حدیث نمبر ۴۸۸۱.

۲۱. ایضاً باب ۴۸۹۱ صفحہ ۱۵۸۲.

۲۲. ترمذی کتاب البر والصلہ، حدیث نمبر ۱۹۲۷ صفحہ ۱۸۴۲.

۲۳. ایضاً، حدیث نمبر ۱۹۲۹ صفحہ ۱۸۴۲ .

۲۴- طبرانی، معجم الطبرانی اوسط، معارف ۲/۱۳۶ حدیث ۱۰۷.

۲۵- بخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان ان یجب لا خیہ مایحب نفسہ. حدیث نمبر ۱۳ . صفحہ ۳

۲۶- ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب عمن قال لا الہ الا اللہ، حدیث نمبر ۳۹۳۰، صفحہ ۲۷۱۲

۲۷- ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب حرمة دم المومن و مالہ، حدیث نمبر ۳۹۳۱، ۳۹۳۳

۲۸- ایضاً، حدیث نمبر ۳۹۳۲

۲۹- ایضاً، باب المسلمین، کتاب الفتن، فی ذمة اللہ عزوجل، حدیث نمبر ۳۹۴۷

تیسرا باب:

قیام وحدت کے لئے نبی کریم ﷺ کی عملی کوششیں

مواخات اور میثاق مدینہ کے ذریعہ استحکام:

داخلی استحکام کس قدر اہم چیز ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے نبی کریم ﷺ نے مدینہ تشریف لاتے ہی سب سے پہلے مسلمانوں یعنی انصار اور مہاجرین کو اخوت و بھائی چارے کے رشتے میں منسلک کر دیا۔ انصار زراعت پیشہ لوگ تھے۔ اگر اخوت کا یہ رشتہ قائم نہ کیا جاتا تو ایک طبقہ معاشی طور پر مستحکم ہوتا اور دوسرا طبقہ محتاج اور نادار رہ جاتا۔ آپؐ نے معاشرتی اتحاد پیدا کیا تو اس کے نتیجے میں معاشی تعاون پیدا ہوا' اور سارے لوگ یکساں طور پر صاحب معاش بن گئے۔ آپؐ نے مواخات کا جو معاہدہ کروایا اس میں لوگوں کی معاشی بحالی کا اہتمام بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ انصار اور مہاجرین نے اپنے اپنے شعبے میں خود انحصاری کے تحت معاشی جدوجہد شروع کر دی۔ انصار یہود کے معاشی داؤ پیچ کا شکار ہو کر ان کے سود کے چکر میں پھنسے ہوئے تھے۔ ادھر مہاجرین تجارت پیشہ تھے انہیں کاروباری داؤ پیچ کا علم تھا۔ ان کے اس کاروباری تجربے اور ذہانت نے یقیناً انصار کی مدد کی اور انہیں یہود کے معاشی چنگل سے نکالا ہو گا۔ کوئی مملکت اسی قدر مستحکم اور خوشحال ہوگی جس قدر اس کے افراد محنت کرنے کے عادی ہوں۔ مہاجرین اور انصار نے دو ذرائع معیشت یعنی تجارت اور زراعت کو باہم تعاون کے ذریعے فروغ دیا اور یوں وسائل معیشت کو بھی فروغ ملا اور ہر شخص روزگار میں بھی مصروف ہوگیا۔ معاشرے کے دو طبقے اگر آپس میں اجنبی کے طور پر زندگی گزاریں تو بھی استحکام قائم نہیں ہوتا بلکہ غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ آپؐ نے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ دنیا اس طرح کے بھائی چارے سے بالکل واقف نہ تھی۔ یہ ایک نئی مثال تھی۔ جن لوگوں کو نبی کریم ﷺ نے آپس میں بھائی بھائی بنایا ان کی تعداد مختلف کتب میں مختلف بیان ہوئی ہے۔ بعض جگہ ان کی تعداد ۹۰ تھی۔ ۴۵ مہاجر تھے اور ۴۵ انصار۔ لیکن بعض کتب میں ان کی تعداد ۱۰۰ بیان ہوئی ہے۔ ۵۰ انصار میں سے اور ۵۰ مہاجرین میں سے۔ مہاجرین تجارت پیشہ تھے

اور انصار زراعت پیشہ۔ مہاجرین نے زراعت کا پیشہ اختیار کرنے سے اگر تکلف کیا تو انصار نے کہہ دیا کہ کھیتی باڑی ہم کریں گے لیکن پیداوار میں نصف نصف کے مالک ہوں گے۔ لیکن خود دار مہاجرین نے اگر انصار کا معاشی سہارا قبول بھی کیا تو محض وقتی طور پر۔ انہوں نے انصار سے کہا کہ ہمیں بازار کا راستہ دکھاؤ۔ ہم خود اپنا معاش کمائیں گے۔(۲) یہ بھی درحقیت نبی کریم ﷺ کی تربیت کا اثر تھا کہ ان حضرات میں اس قدر عزت نفس' خودداری اور محنت کی عظمت دل میں بیٹھ چکی تھی کہ کسی نے کسی پر بوجھ بننا گوارا نہ کیا۔

اس بات کی اہمیت اس اعتبار سے مزید بڑھ جاتی ہے کہ آپؐ نے یہ تربیت ایک ایسی فضا میں کی جب مسلمان مکہ میں کفار کے ظلم و ستم کا شکار تھے اور محکومی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اکثر مہاجرین نے صرف بقدر ضرورت نقد لیکر اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس اتحاد میں لوگوں کی معاشی بحالی کو بنیادی اہمیت دی۔ نہ کسی پر کسی کو بوجھ بنایا نہ کوئی کسی کے لیے گراں ثابت ہوا۔ آپؐ نے ہر ایک کو معاشی طور پر بحال کیا۔ ۴ھ میں بنو نضیر جلا وطن ہوئے تو ان کے نخلستان مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ حضورؐ نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو نئے مقبوضات مہاجرین کو دے دئے جائیں اور مدینہ آنے کے موقع پر جو نخلستان مہاجرین کو دئے گئے تھے وہ آپ واپس لے لیں۔ وسیع الظرف انصار نے کہا کہ جو نخلستان پہلے سے مہاجرین کے پاس تھے وہ بھی ان کے پاس رہنے دیں اور بنو نضیر کے نخلستان بھی انہیں دے دیں۔(۳) پھر جب خیبر فتح ہوا تو مہاجرین کی حالت سنبھل گئی اور انہوں نے تمام نخلستان انصار کو واپس کر دئے۔(۴) نبی کریم ﷺ نے انصار اور مہاجرین کو جو اپنے اپنے مقام پر ممتاز مقام رکھتے تھے' اخوت کے رشتے میں پرو دیا۔

نبی کریم ﷺ نے اخوت و محبت کا جو ماحول پیدا فرمایا اس کے عناصر اوس' خزرج اور قریش تھے۔ یہ لوگ نسلی' معاشی معاشرتی اور مذہبی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ہجرت کے وقت مہاجرین کا ذہنی پس منظر یہ تھا کہ وہ گھربار چھوڑ کر آئے تھے لیکن اللہ نے انہیں بڑے انعامات کی بشارتیں دی تھیں۔ ادھر انصارؓ معاشی طور پر مستحکم تھے اور انہیں ذہنی طور پر یہ برتری حاصل تھی کہ انہوں نے مہاجرین کو پناہ دی تھی پورے عرب کی مخالفت مول لی تھی۔ آپؐ نے ان مختلف ذہنی پس منظر رکھنے والے لوگوں کو اس بنیاد پر اکٹھا کر دیا کہ وہ حق

پر ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ ایک دوسرے کی ہمدردی اور غم خواری کریں گے۔ آپؐ نے جارحیت کے خلاف ان عناصر کو یک جان کر دیا۔ انصار اوس اور خزرج سے تعلق رکھتے تھے جو زراعت میں اپنا مقام رکھتے تھے، مہاجرین کا تعلق قریش سے تھا جو کعبہ کے کلید بردار تھے اور عرب میں انہیں امتیازی ترین مقام حاصل تھا، ان سب کو برابری اور احترام باہمی کی بنیاد پر ایسے اکٹھا کر دیا کہ ہر ایک کو اپنا سابقہ امتیاز بھول ہی گیا اور بقول مولانا مناظر احسن گیلانی، یہ مواخات کا گرز تھا جس نے فخر کے اس بت کو ڈھیر کر کے رکھ دیا۔(۵) محمد حسین ہیکل مؤاخات کے معاہدے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ کی فکر نو جس میں آپ سابقہ انبیائے کرام سے منفرد تھے ایک نئی طرح کی فکر تھی۔ جسے آنحضرت ﷺ نے اس دِقت نظر اور دُور اندیشی کے بعد قائم کیا کہ صاحب دانش کو آپؐ کی اصابت فکر کے سامنے سر جھکائے بغیر چارہ نہ رہے، یہ کہ جدید وطن کو ایسی وحدت میں منسلک کیا جائے جو آج تک عرب کے وہم و خیال میں بھی نہ آسکی۔"(٦)

اس وحدت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپؐ نے انصار کو مستقل بنیادوں پر باوقار طریقے سے بحال کر دیا۔ دورِ حاضر کے لیے آپؐ کی حکمت عملی بہت مثبت اثرات مرتب کر سکتی ہے کہ آپؐ نے چندہ جمع کرنے اور مہاجرین کی بحالی کے لیے اپلیں کرنے کا انداز نہیں اپنایا۔ اس سے بحالی کے طالب گروہ کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔ اس مؤاخات کو اگر اس زاویے سے دیکھیں کہ مدینہ کے منافقین اوس اور خزرج میں پھوٹ ڈالنے کے لیے ہر وقت سازشیں کرتے رہے۔ اس تناظر میں اس حکمت عملی کی اہمیت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہ جاتا۔ پھر منافقین مہاجرین و انصار میں بھی پھوٹ ڈالتے رہتے تھے۔ لیکن مؤاخات کے بعد ان کی یہ چالیں ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئیں اور مسلمان سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے۔

نبی کریم ﷺ نے جس حکمت عملی کے تحت ایک دوسرے کے جانی دشمنوں کو شیرو شکر کر دیا اس کا ایک پہلو یہ تھا کہ معاشرے کے تمام افراد کو انسانی حقوق اور معاشرتی مراتب کے اعتبار سے مساوی مقام دیا۔ اگر کسی کو احترام ملا تو اپنی اپنی خدمات کی بنا پر ہی ملا۔ کسی شخص سے خاندانی یا نسبی بنیاد پر کوئی ترجیحی سلوک نہیں کیا گیا۔ آپؐ نے کسی کو بھی کوئی ایسی رعایت

نہیں دی جو بنیادی انسانی حقوق کے منافی ہو۔ آپؐ نے اس اصول کو سب سے پہلے اپنے اوپر لاگو کیا۔ اس اصول کو ایک معاشرتی قدر کے طور پر نافذ فرمایا۔

آپ کی داخلی استحکام کی پالیسی کے بارے میں مولانا نعیم صدیقی لکھتے ہیں۔

آپ عوامی حلقوں سے پوری طرح مربوط تھے۔ جماعت اور معاشرہ سے ذاتی اور نجی تعلق رکھتے تھے۔ علیحدگی پسندی۔ کبریا یبوست کا شائبہ تک نہ تھا۔ درحقیقت آپؐ نے جس نظام اخوت کی تاسیس فرمائی تھی یہ اس کا اہم تقاضا تھا کہ لوگ باہم مربوط رہیں۔ ایک دوسرے کے کام آئیں اور ایک دوسرے کے حقوق کو پہچانیں۔ داخلی استحکام میں میثاق مدینہ کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ اس معاہدے کے بارے میں محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں۔

"یہ تحریری معاہدہ ہے۔ جس کی رُو سے حضرت محمد ﷺ نے آج سے تیرہ سو سال پہلے انسانی معاشرے میں ایک ایسا ضابطہ قائم کیا جس سے شرکائے معاہدہ میں سے ہرگروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدے کی آزادی کا حق حاصل ہوا۔ انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔ اموال کے تحفظ کی ضمانت مل گئی۔ ارتکابِ جرم پر گرفت اور مواخذہ نے دباؤ ڈالا اور معاہدین کی یہ بستی، اس میں رہنے والوں کے لیے امن کا گہوارہ بن گئی۔ غور فرمائیے کہ سیاسی اور مذہبی زندگی کو ارتقاء کا کتنا بلند مرتبہ حاصل ہوا۔ جس سیاست و معاشرت پر دست استبداد مسلط تھا اور دنیا فساد و ظلم کی تجربہ گاہ بنی ہوئی تھی۔"(۸)

اگر ہم میثاق مدینہ کی شقوں کا سیاسی، معاشرتی، عسکری اور دینی نقطہ نگاہ سے جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ، مدینہ طیبہ میں داخلی اور خارجی امن قائم کرنے کے لیے ایک جامع معاہدہ تھا۔ جس میں مدینہ میں بسنے والے تمام مذاہب کے لوگ شریک تھے۔

داخلی استحکام و وحدت کے حوالے سے میثاق مدینہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں ایک مملکت قائم ہوئی۔ مملکت استحکام کی ضمانت ہوتی ہے۔ مدینہ کی مملکت میں قانون کی حاکمیت قائم کی گئی۔ مملکت کے اندر بسنے والے تمام طبقات و مذاہب کے لوگوں کو اعتماد میں لے کر انہیں احساس دلایا گیا کہ تمام مذاہب کے لوگ مساوی طور پر مملکت کے دفاع کے ذمہ دار ہوں گے۔

قتل و غارت لاقانونیت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ لاقانونیت امن و سکون کی دشمن ہے۔ نبی کریمؐ نے اس کے انسداد کے لیے میثاق مدینہ میں دیت کے قانون کی بھی وضاحت فرما دی اور اس بات کا تعین کر دیا کہ کسی مقتول کا بدلہ لینے کا کیا اصول نافذ ہو گا۔ خون بہا' دیت اور فدیہ کا جو طریقہ عہد جاہلیت میں رائج تھا اسے برقرار رکھا گیا۔ (۹)

مملکت کے تحفظ و دفاع کے سلسلے میں میثاق مدینہ کے اندر یہ طے کر دیا گیا کہ مدینہ کے سارے فریق مل کر مدینہ کا دفاع کریں گے۔

داخلی استحکام کے حوالے سے میثاق مدینہ کی یہ اہمیت ہے کہ اس کی کل ۴۷ دفعات میں سے ایک سے تیئس تک دفعات مہاجرین و انصار کے بارے میں ہیں۔

مدینہ طیبہ کی اسلامی ریاست کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے لیے آپؐ نے بعض بڑے دُور رس اقدامات کئے۔ مؤاخات اور میثاق مدینہ کے علاوہ آپؐ نے مدینہ کے قرب و جوار کے قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدات کئے۔ اسی طرح جو قبیلہ مسلمان ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت کرنا چاہتا اسے کہا جاتا کہ وہ مدینہ کے قرب و جوار میں آباد ہو۔ اس سے مدینہ کا دفاع مضبوط ہوا تو مسلموں کے لیے تربیت بھی آسان ہو گئی اور اسلامی فوج کے لیے فوجی بھی آسانی سے مل جاتے۔ (۱۰)

دوسروں کے ساتھ امن کے ساتھ رہنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے متعدد معاہدے غیر مذاہب کے ساتھ کئے۔ ان میں میثاق مدینہ اور صلح حدیبیہ کے علاوہ متعدد وہ معاہدات شامل ہیں جو آپؐ نے غیر مسلم قبائل کے ساتھ کئے۔ ان معاہدات کے حوالے سے ایک بات کی وضاحت بڑی اہم ہے کہ یہ تمام معاہدات برابری کی بنیاد پر ہوئے۔ مسلمان اپنے موقف سے دستبردار نہیں ہوئے۔

قرآن مجید اور اسوۂ رسول ﷺ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں امن کی خاطر برابری کی بنیاد پر' مسلمانوں اور اسلام کے وقار کو قائم رکھتے ہوئے' دشمن کی طرف جھکاؤ ظاہر کئے بغیر اور اپنی کسی کمزوری کا تاثر دیئے بغیر اگر دشمن سے معاہدہ کیا جائے تو اس کی اجازت اور مثالیں موجود ہیں۔ لیکن مسلمان اگر اپنے آپ کو عافیت اور تن آسانی کی راہ پر چلانے کے لیے' حق کے لیے قربانیوں سے گریز کا پہلو اختیار کرتے ہوئے' دشمن سے برابری کی

بنیاد پر معاہدہ کرنے کی بجائے اس کے ساتھ سازگاری اور "کچھ لو کچھ دو" کا معاملہ کرتے ہوئے، کچھ اپنے موقف سے ہٹ کر کچھ دوسرے کا موقف تسلیم کرتے ہوئے دشمن سے معاہدہ کریں تو اسلام اس کی شدت سے ممانعت اور مذمت کرتا ہے۔ سیرت رسول اللہ ﷺ سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ جب مکہ مکرمہ میں کفار نے مختلف وفود آپؐ کی خدمت میں بھیجے کہ کچھ "سازگاری" کی فضا بن جائے، آپؐ ان کے بتوں کی مذمت نہ کریں، کچھ اپنی منوالیں کچھ ہماری مان لیں" کا اصول اختیار کرلیں تو ان تمام وفود کی بات پر نبی کریم ﷺ نے کوئی توجہ نہیں دی۔(۱۱) لیکن جب برابری کی بنیاد پر معاہدے کی بات ہوئی تو مدینہ طیبہ میں خود آگے بڑھ کر معاہدہ کیا۔ آپؐ کا "سازگاری" کے لیے تیار نہ ہونا کئی مثالوں سے واضح کیا جاسکتا ہے۔ ایک موقع پر کفار نے عتبہ بن ربیعہ کو آپؐ کے پاس اسی طرح کی سازگاری کے لیے بھیجا۔ اس نے آپ کو سرداری، دولت، اونچے گھرانے میں شادی کی آڑ میں پیش کش کیں آپؐ نے ان سب کو ٹھکراتے ہوئے سورۃ حم السجدہ کی آیات سنائیں تو وہ مبہوت ہوگیا اور کہہ اٹھا کہ اس طرح کا کلام میرے کانوں نے کبھی نہیں سنا(۱۲)--- کفار نے ایک وفد جناب ابو طالب کے پاس بھی بھیجا۔ انہوں نے اپنے انداز سے نبی کریم ﷺ سے بات کی کہ آپ میرے لیے مشکلات پیدا نہ کریں۔ لیکن نبی کریم ﷺ کا جواب رہتی دنیا کے داعیوں کے لیے ایک نمونہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا "خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر رکھ دیں کہ میں اپنے مشن سے رک جاؤں تو بھی ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ کام پورا ہوگا یا میں خود اس مشن کی تکمیل میں اپنی جان کی بازی ہار جاؤں"(۱۳)

اسی طرح کے واقعات کے بارے میں سورۃ الکافرون نازل ہوئی۔ فرمایا:

قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ○ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ○ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ○

آپ ان سے فرما دیجئے کہ اے کافرو! میں عبادت نہیں کرتا ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم عبادت

www.KitaboSunnat.com

کرنے والو ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہاری راہ اور میرے لیے میری راہ۔

اس سورۃ مبارکہ کے شان نزول میں ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کافروں نے کہا تھا کہ ایک سال آپؐ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اگلے سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ چنانچہ آپؐ کی زبان اقدس سے اعلان فرما دیا گیا کہ نہ میں اس وقت ایسا کرسکتا ہوں نہ مستقبل میں ایسا کروں گا۔ سورت مبارکہ میں الفاظ کے تکرار سے مفسرین نے نقطہ نکالا ہے کہ اس تکرار کا مقصود تاکید ہے کہ میں نہ تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں نہ کروں گا گویا تم اس سلسلے میں کسی غلط فہمی میں نہ رہنا کہ نہ میں عبادت کرتا ہوں نہ مستقبل میں ایسا کروں گا۔ نہ میں تمہارے مبعودوں کی عبادت کرتا ہوں نہ تمہارے معبودوں کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ ان کی عبادت کی جائے۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ان الفاظ کا تکرار اس طرح سے ہے کہ ایک جملہ اسمیہ ہے اور دوسرا جملہ فعلیہ۔ گویا نہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں نہ کوئی مجھ سے اس قسم کی توقع کرے۔(۱۴)

اس طرح کی سازگاری کی ممانعت قرآن مجید میں بھی متعدد مقامات پر آئی ہے۔ مثلاً سورۃ بنی اسرائیل کی آیات نمبر۷۳ تا۷۶ میں اسی بات کا ذکر شدید ترین انداز سے کیا گیا ہے۔ یہاں براہ راست خطاب نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہے۔ لیکن اصل میں رہتی دنیا تک کے لوگوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ اگر تم نے کبھی دشمن کے ساتھ سازگاری یعنی اپنے موقف میں ڈھیل دکھاتے ہوئے دشمن کے ساتھ مل جل کر رہنے کی پالیسی اختیار کی تو یہ ناقابل معافی جرم ہوگا۔

اسی طرح کی سازگاری کی اتنی شدت کے ساتھ ممانعت اس لیے کی گئی ہے کہ اس طرح کا معاہدہ کرنے کی ضرورت اس وقت محسوس کی جاتی ہے جب مسلمان کسل مندی اور دین کے لیے قربانی دینے سے گریزاں ہوں اور عافیت کی راہ اختیار کرتے ہوئے سکون سے رہنا پسند کرنے لگیں۔ جبکہ اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان دفاع دین میں ہمہ وقت چوکس رہیں اور قربانیوں سے گریزاں نہ ہوں۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کے مندرجہ ذیل مقامات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمان امن سے رہنے کے لئے غیرمذاہب سے معاہدے ضرور کریں لیکن کبھی بھی دفاع دین کی ذمہ داری سے غافل نہ ہوں۔ (الانفال: ۷، النساء: ۷۱، ۷۵، ۸۴، التوبہ: ۳۸

۳۹، ۴۱)

پوری سورۃ الحدید کا پس منظر یہی ہے کہ مسلمان کسی بھی صورت قربانیوں سے گریزاں نہ ہوں۔

مسلمان اگر عافیت پسندی کی راہ اختیار کرکے قربانیوں سے گریز کرتے ہوئے کوئی معاہدہ کرتے ہیں۔ تو اس کیفیت میں مسلمان توکسل مندی اور عافیت پسندی کا شکار ہو کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں گے لیکن دشمن باور کرلیتا ہے کہ مسلمان اب قربانی سے گریزاں ہیں۔ وہ اس تاک میں بیٹھ جاتا ہے کہ ان کی غفلت سے فائدہ اٹھائے۔ وہ جوں ہی موقع پاتا ہے، حملہ آور ہو جاتا ہے اس کیفیت کی بیسیوں مثالیں آج کے دور میں دیکھی جاسکتی ہیں کہ اس طرح کے معاہدوں کے نتیجے میں مسلمان کمزور ہوئے اور دشمن مضبوط ہوا۔ مشرق وسطیٰ اس کی واضح مثال ہے۔

باہمی معاملات میں نبی کریم ﷺ کا مصالحتی کردار:

معاشرتی استحکام کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کی تمام کاوشوں کی بنیاد قرآن مجید ہے۔

معاشرے میں اتحاد و یگانگت قائم رکھنے کے لیے قرآن و سنت میں ایک مستقل نظام دے دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے رہن سہن کا طرز اس طرح تشکیل دیا گیا ہے کہ جب کبھی کوئی تنازعہ پیدا ہوتا ہے تو اس طرز زندگی میں فوراً مصالحانہ کوششیں شروع ہو جاتی ہیں قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا!

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ(۱۵)

اللہ سے ڈرو اور تم آپس کے معاملات کی اصلاح کرلیا کرو۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اگر تم مومن ہو۔

اس آیت کریمہ میں جو باتیں بتلائی گئی ہیں وہ یہ ہیں کہ باہمی معاملات اور حقوق و فرائض کے معاملے میں خوف خدا اور تقویٰ کو ذہن میں رکھیں۔

لوگوں کے باہمی معاملات کی استواری میں خوف خدا کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

ایک شخص دوسرے کو دھوکہ دے سکتا ہے۔ اس کا حق مار سکتا ہے۔ اسے زبان یا ہاتھ سے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ان تمام دست درازیوں اور زیادتیوں سے کوئی چیز باز رکھ سکتی ہے تو وہ خدا کا خوف ہی ہے۔ اگر خوف خدا پیدا ہو جائے تو اسی کے مؤاخذے کے خوف سے وہ دوسروں پر زیادتی سے رکے گا۔ قانون' اخلاق یا معاشرتی روایات محض ایک حد تک ہی دوسروں پر زیادتی سے باز رکھ سکتے ہیں۔ لیکن اگر خوف خدا موجود ہو تو انسان خفیہ اور اعلانیہ ہر موقع پر زیادتی سے باز رہے گا۔

اس آیت کریمہ میں دوسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ جب کبھی مسلمانوں کے باہمی معاملات میں کوئی رخنہ پڑے تو دوسرے لوگ درمیان میں آکر اصلاح کروا دیں۔ نیز یہ کہ مسلمان آپس کے معاملات درست رکھا کریں۔

اس آیت کریمہ میں تیسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر ہم آپس کے معاملات کو اصلاح اور ہم آہنگی کی راہ پر چلانا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ یہ ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی راہ اپنائیں۔ دوسرے لفظوں میں اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے علاوہ کوئی اور راستہ اپنائیں گے تو اس سے انتشار و افتراق ہی پیدا ہو گا۔

قرآن مجید کا حکم یہی ہے کہ اگر دو گروہ یا دو افراد کسی وجہ سے آپس میں جھگڑ پڑیں تو دوسرے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان کے درمیان صلح کروائیں۔ اس سلسلے میں سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا۔(۱۶)

اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کروا دو پھر اگر ان میں سے ایک گروہ زیادتی کرنے لگے تو ظلم کرنے والے گروہ کے خلاف لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کو مان لے۔ اگر یہ ایسا کرے تو دونوں گروہوں میں برابری کی بنیاد پر صلح کروا دو اور عدل کا خیال رکھو۔

اگر ہم اپنے معاشرتی ماحول میں غور کریں تو اس ہدایت کی اہمیت بہت زیادہ نمایاں

طور پر دکھائی دیتی ہے۔ یہ بات عموماً مشاہدے میں آئی ہے کہ صلح کرواتے وقت بھی عموما دھڑے بندی اور کمزور اور طاقتور کی بنیاد پر ہی فیصلے ہوتے ہیں۔ ثالثوں کا رجحان کسی ایک مضبوط گروہ کی طرف نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی نبوت سے قبل بھی اس آیت کریمہ کا عملی نمونہ تھی۔ نبوت سے قبل بھی آپ عربوں کی بدنظمی اور جنگ و جدال کی کیفیت سے پریشان رہتے۔ جنگ و جدال میں مصروف لوگوں کو براہ راست سمجھانا تو ابتداء میں مشکل تھا لیکن آپؐ نے آہستہ آہستہ لوگوں کا ذہن امن کی طرف موڑ دیا۔ آپ کو جب موقع ملتا آپ ان لوگوں کو جنگ کی ہولناکیوں سے آگاہ فرماتے نبی کریم ﷺ دور نبوت میں اس معاہدے کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ جو عربوں کے درمیان جنگ روکنے کے لیے ہوا تھا۔(۱۷) اس معاہدے کے بارے میں آپ کا ایک قول منقول ہے کہ میں اس معاہدے میں شریک ہوا تھا اگر اس معاہدے کے مقابل میں مجھے سو اونٹ بھی دئے جاتے تو میں قبول نہ کرتا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر آج بھی مجھے اس طرح کے معاہدے کے لیے بلایا جائے تو میں حاضر ہوں۔(۱۸) آپؐ نے اول تو اس بات کو ناپسند فرمایا کہ دو مسلمان بھائی آپس میں تین دن سے زیادہ دیر تک ناراض رہیں۔ لیکن اگر ایسا ہو ہی جائے تو پھر دوسروں کو چاہیے کہ ان میں صلح کروا دیں تاکہ یہ ناراضگی طول نہ پکڑے اور کینہ دلوں کے اندر پنپنے نہ لگ جائے۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ جب ایک مرتبہ کشیدگی کا آغاز ہو جاتا ہے تو پھر یہ کشیدگی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ شرپسند اور تماشہ دیکھنے والے لوگ ادھر سے ادھر باتیں کرتے ہیں اور فتنے کو ہوا دیتے ہیں۔ جس طرح جسم کے کسی حصے میں اگر کوئی فاسد مادہ موجود ہو تو وہ اندر ہی اندر اپنا زہر بڑھاتا جاتا ہے۔ فاسد مادے کا ایک ہی علاج ہوتا ہے کہ اس کا اپریشن کرکے اسے نکال باہر کیا جائے۔ اسی کیفیت سے بچنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے یہ حل دیا ہے کہ آپس کی ناراضگیوں کو زیادہ دیر تک طول نہ دیا جائے۔ اول تو لوگ خود ہی صلح کرلیں۔ اگر ایسا امکان نہ ہو تو دوسرے لوگ صلح کا بندوبست کریں۔ یہ معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے فرائض کا احساس کرے۔ معاشرتی

شعور کو بیدار کیا جائے۔ معاشرے کو اپنے فرائض سے آگاہ کیا جائے۔ افراد معاشرہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں کہ کشیدگی کو دور کرنا ان کا معاشرتی' اخلاقی اور شرعی فریضہ ہے۔ اگر شرعی اصطلاح میں بات کی جائے تو یہ معاشرے کا "فرض کفایہ" ہے کہ وہ کشیدگی ختم کرنے کا اہتمام کرے۔

نبی کریم ﷺ کے متعدد فرامین اس سلسلے میں موجود ہیں کہ کسی تنازعہ کے موقع پر دوسرے لوگ خاموش تماشائی بن کر نہ بیٹھے رہیں۔

عائلی زندگی میں بھی اگر کبھی کہیں رخنہ پڑ جائے تو قرآن و سنت یہاں بھی صلح صفائی کی پالیسی اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

میاں بیوی کی زندگی معاشرے کی بنیاد اور جڑ ہے۔ یہ انسانی زندگی کی عمارت کی پہلی اینٹ ہے۔ اگر پہلی اینٹ درست طور پر رکھی گئی ہو تو ساری عمارت سیدھی ہی بنے گی اور یہ اینٹ ٹیڑھی ہو جائے تو ثریا تک بلند ہونے والی عمارت ٹیڑھی ہی بنے گی۔ اگر میاں بیوی کا تعلق کشیدگی ' مخاصمت اور کھچاؤ کی بنیاد پر پروان چڑھے گا تو پورا معاشرہ اسی انداز پر تشکیل پا جائے گا۔ قرآن مجید نے عائلی زندگی کو محبت' اخوت اور مؤدت کی بنیاد قرار دیا۔ اس رشتے کی نوعیت اور اس کے مقصد کے بارے میں قرآن مجید میں سورۃ الروم کی آیت نمبر۲۱ میں فرمایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً

اللہ کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ تم سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان مؤدت و رحمت پیدا کر دی۔

قرآن یہ نہیں چاہتا کہ مؤدت و رحمت کے اس منبع سے کدورت' بغض اور نفرت کے سوتے پھوٹیں۔ اولاد اپنے والدین کو دیکھ کر اپنے ذہن کی راہیں مرتب کرتی ہے۔ اگر والدین کو مؤدت و رحمت سے رہتے دیکھیں گے تو ان کے جذبات و احساسات بھی اسی رنگ میں رنگے جائیں گے۔ اگر انہیں دیکھنے اور محسوس کرنے کو نفرت ملے گی تو وہ بھی انتہا پسند' وہمی اور متشدد طبیعتوں کے مالک بن جائیں گے۔ اس لیے قرآن کا رجحان اس طرف ہے کہ اگر

کبھی کوئی اختلاف پیدا ہو تو فوراً مصالحانہ رویہ اختیار کیا جائے۔ اس سلسلے میں سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳۵ میں فرمایا:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا

اگر تمہیں خدشہ ہو کہ میاں بیوی میں ناچاقی ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف مرد عورت کے خاندان میں سے مقرر کر دو۔ اگر صلح کی راہ اختیار کرنا چاہیں گے تو اللہ ان میں موافقت پیدا کر دے گا۔

سورۃ النساء ہی کے اندر آیت ۱۲۸ میں فرمایا:

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ

اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی کا خدشہ ہو تو میاں بیوی کے لیے اس میں کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں کسی بنیاد پر صلح کر لیں اور صلح اچھی چیز ہے۔ اس سے اگلی آیت مبارکہ میں فرمایا اگر میاں بیوی آپس میں موافقت کر لیں اور اللہ سے ڈریں تو اللہ غلطیاں معاف کرنے والا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے دو ناراض افراد یا میاں بیوی میں صلح کروانے کو کس قدر اہمیت دی' اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ میاں بیوی یا دو گروہوں کے درمیان مصالحت کی خاطر اگر جھوٹ بھی بولنا پڑے تو اس کی اجازت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُوْلُ خَيْرًا وَيَنْمِيْ خَيْرًا(۱۹)

وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں میں صلح کروائے اور بہتر بات کہے اور اچھی بات ہی آگے دوسرے تک پہنچائے۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ میں نے نہیں سنا کہ کسی جھوٹ میں رخصت دی گئی ہو مگر تین مقامات میں' ایک تو لڑائی میں' دوسرے لوگوں میں صلح کرانے کے لیے تیسرے خاوند بیوی کے درمیان صلح کروانے کے لیے۔(۲۰) ان تین مواقع کی بنیادی روح ایک ہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا

اَلَا اُخبِرُکُمْ بِاَفْضَلِ مِنَ دَرَجَۃِ الصِّیَامِ وَالصَّلَاۃِ وَالصَّدَقَۃَ؟ قَالُوْا بَلٰی!
قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتَ الْبَیْنَ وَفَسَادُ ذَاتَ الْبَیْنَ (۲۲)

کیا میں تمہیں ایسے اعمال کی خبر نہ دوں جو روزہ' نماز اور صدقہ سے بھی افضل ہے؟ صحابہ نے کہا کیوں نہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ دو بندوں کے درمیان صلح کروا دی جائے۔

ان احکام سے واضح ہوتا ہے کہ لڑائی جھگڑے میں خاموش تماشائی نہ بنے رہیں بلکہ خیر خواہی کے جذبے کے تحت صلح کروا دینی چاہیے۔ کچھ لوگ لڑ رہے ہوں اور باقی لوگ خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہیں' اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ لڑائی کو دیکھ کر خاموشی سے بیٹھے رہنے والا شخص درحقیقت لڑائی کی اجازت دینے والا ہے۔

معاشرتی استحکام کے لیے نبی کریم ﷺ کی حکمت عملی کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ باہمی تنازعات کو ابتداء میں ہی ختم کر دیا جائے۔ معاملات کے اپنی انتہا تک پہنچنے سے قبل ہی صلح صفائی کروا دی جائے۔ جوں جوں گلے شکوے طول پکڑتے ہیں اس کے ساتھ ان کی شکل ناسور میں بدلتی جاتی ہے اور وہ اپنا اثر باقی جسم میں بھی منتقل کرنے لگتے ہیں۔ تعصبات اور رنجشوں میں شدت پیدا ہوتی جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ عدالتی سطح پر فیصلے کرنے کے علاوہ باہم صلح صفائی سے بھی کام لیتے تھے۔ اس سلسلے میں اگلے باب میں آپ کی اس پالیسی کے بارے میں مثالیں پیش کی جائیں۔ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ عدالتی فرائض کی ادائیگی کے موقع پر بھی آپ ایسے معاملات جہاں عدالت میں پہنچنے سے قبل مصالحت کی گنجائش موجود ہے' وہاں آپؐ صلح کی بھرپور کوشش فرماتے۔ عدالتی کاروائی کی بجائے اگر مصالحتی انداز اپنایا جائے تو معاملات کے تصفیے عدالتی طریق کار سے بھی بہت کم مدت میں نمٹ جاتے ہیں۔ اس سے معاشرتی زندگی میں کھچاؤ ختم ہوتا ہے۔ خصوصی طور پر آج کی زندگی کو پیش نظر رکھا جائے تو مصالحتی انداز سے نہ صرف معاشرے میں عفوو درگزر کے رجحانات پروان چڑھیں گے بلکہ عدالتوں پر بوجھ بھی کم ہو گا۔ جج حضرات' وکلاء اور دیگر بہت سے باصلاحیت لوگوں کی صلاحیتوں اور ان کے اوقات کو مثبت مقاصد کے لیے کام میں لایا جاسکے گا۔ جھگڑے کے فریقوں کا بہت سا سرمایہ جو مقدمے بازی میں صرف ہو جاتا ہے'

اس سے بھی بچا جا سکے گا۔

اس رجحان کے فروغ کے لیے ہمیں دو طرح کے کام کرنے پڑیں گے۔ ایک یہ کہ علماء ' اساتذہ ' ذرائع اِبلاغ اور دیگر ذرائع سے لوگوں کی ذہنی تربیتی کرنا ہوگی کہ وہ حلم و بردباری' عفو و درگزر اور روا داری و احسان کی راہ اختیار کریں۔ اس سلسلے میں ریڈیو' ٹی وی' اخبارات ' نصاب تعلیم ' خصوصی لیکچرز (Motivation Lectures) کا مستقل طور پر تحریک کے انداز سے اہتمام کیا جائے۔

دوسرا کرنے کاکام یہ ہے کہ مقامی سطح پر منتخب ہونے والے عوامی نمائندوں کو مصالحتی کمیٹیوں کی بھی حیثیت دی جائے اور مختلف امور عدالتوں میں جانے سے قبل ان کیمٹیوں میں بھی بھیجے جائیں۔ (اگرچہ چند ایک قباحتوں کا امکان ہوگا مثلاً معاملات لٹک جائیں گے اور ان کے تصفیے میں تاخیر ہونے لگے گی' لیکن ان قباحتوں کا ازالہ بھی ممکن ہوسکتا ہے) لوگ جب "احسان" کی اس پالیسی کے مثبت اثرات دیکھیں گے تو لازمی طور پر وہ عدالتی کارروائیوں سے پہلے ہی معاملات نمٹانے کو ترجیح دیں گے۔

نبی کریم ﷺ کا مصالحانہ کردار:

معاشرتی اتحاد و استحکام کے لئے نبی کریم ﷺ نے لوگوں کے درمیان مصالحانہ کردار بھی ادا کیا۔ اور لوگوں کے جھگڑوں کے فیصلے قاضی کے بجائے ایک مصالت کنندہ کے طور پر ہے۔ اس سلسلے میں ابوداؤد شریف میں روایت یوں ہے **الصلح جائز بین المسلمین۔** مسلمانوں کے درمیان صلح کروانا جائز ہے۔ امام احمد نے اس پر اضافہ کیا ہے۔ **اِلاَّ صُلْحًا حَرَّمَ حَلاَلا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا** سوائے اس صلح کے جو حلال کو حرام کو حلال کر دے سلیمان بن داؤد نے اس پر مزید اضافہ کیا کہ **اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ**(۲۲a) ترمذی شریف میں ہے۔ **اَلصُّلْحُ جَائِزٌ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلاَّ صُلْحًا حَرَّمَ حَلاَلاً اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا وَالْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ اِلاَّ شَرْطًا حَرَّمَ حَلاَلاً اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا**(۲۲b) مسلمانوں میں صلح جائز ہے سوائے ایسی صلح کے جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دے۔ اور مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں سوائے اس کہ جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے۔

کتاب الخراج میں امام ابو یوسف نے حضرت عمرؓ کی طرف سے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی طرف لکھے گئے ایک خط کا ذکر کیا ہے۔ جس میں امیر المومنین نے ایک والی کو لکھا جب تک کسی مسئلہ میں مناسب فیصلہ تک نہ پہنچ جاؤ' اس وقت تک فریقین میں صلح کروانے کی کوشش کرو۔(۲۲c)

آپؐ کی سیرت طیبہ سے یہ روشنی بھی ملتی ہے کہ آپ ظہر کی نماز کے بعد بیٹھ کر لوگوں کے تنازعات سنا کرتے تھے۔ (۲۳) علامہ سرخسی آپؐ کے اسی طریق کار کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ قاضی اپنے عہدے کے اعتبار سے اس بات پر مامور ہے کہ وہ سب سے پہلے فریقین کے درمیان صلح کروانے کی کوشش کرے۔(۲۴)" قرآن مجید میں بھی مختلف معاملات میں اسی رجحان کی نشاندہی کی گئی ہے۔ منصب نبوت پر فائز ہونے سے قبل بھی نبی کریم ﷺ نے کئی ایک تنازعات میں مصالحانہ کردار ادا فرمایا: نبی کریم ﷺ کی بعثت کی زندگی کے آغاز سے قبل عربوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسے حلف الفضول کہتے ہیں۔ اس میں سب فریقوں نے یہ عہد کیا تھا کہ:

> ہم مکہ کے شہر میں جس مظلوم کو بھی دیکھیں گے اس کے حلیف بن کر ظالم سے لڑیں گے اور ظلم کی تلافی کرائیں گے۔ یہ مظلوم مکہ کا باشندہ ہو یا غیر ملکی سیاح۔ (۲۵)

حضور ﷺ کا بیان ہے کہ میں اس معاہدہ کے وقت موجود تھا اور یہ معاہدہ مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ پیارا ہے۔ اگر اسلام میں بھی مجھے کوئی اس قسم کے معاہدے کے لیے دعوت دے گا تو میں اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہوں گا۔ (۲۶)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو امن کس قدر عزیز تھا۔ علامہ سہیلی الروض الانف میں لکھتے ہیں کہ کفار نے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس معاہدے کو ختم کر دیا تھا لیکن مسلمان اس معاہدے پر خلاف راشدہ کے بعد بھی قائم رہے۔ اس سے مسلمانوں کی امن پسندی کا اظہار ہوتا ہے۔ قبیلہ اوس اور خزرج کے درمیان اس سلسلے میں تناؤ تھا ان کے درمیان جنگ بعاث میں حضرت اسعد ابن زرارہ کے ہاتھوں قبیلہ اوس کے ایک سردار کے قتل ہو جانے کے باعث قبیلہ اوس کے لوگ ان کے خون کے پیاسے تھے۔ آپ نے اوس والوں سے فرمایا کہ تم لوگ اسعد بن زرارہ کو پناہ دے دو۔ سعد ابن خیثم جو اوس کے سردار تھے آپؐ

کے اس حکم کی تعمیل کی اور انہیں امان دے دی۔(۲۷)

حجر اسود کی تنصیب کے موقع پر آپ کی بصیرت ہی کی بدولت اہل مکہ ایک بڑے تصادم سے بچ گئے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ سے یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے بارہا مختلف نزاعی معاملات میں فریقین کے درمیان صلح کروائی۔ بخاری شریف میں روایت ہے کہ قباء کے لوگ آپس میں جھگڑ پڑے یہاں تک کہ ایک دوسرے پر پتھراؤ کرنے لگے۔ حضور اکرم ﷺ کو خبر دی گئی آپؐ نے فرمایا چلو ہمیں ان کے پاس لے چلو ہم ان میں صلح کروا دیتے ہیں۔ اس واقعہ کی بنیاد پر امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے باب **قَوْلَ الْاِمَامِ لِاَصْحَابِهِ اِذْهَبُوْا بِنَا نُصْلِحُ** (یعنی امام کا یہ کہنا اپنے ساتھیوں سے کہ ہمیں لے چلو تاکہ ہم صلح کروائیں)(۲۹) اسی طرح امام بخاری نے ایک اور باب اس عنوان کے ساتھ قائم کیا ہے باب **هَلْ يَشِيْرُ الْاِمَامِ بِالصُّلْحِ** (کیا امام صلح کر لینے کے لیے فریقین کو اشارہ کر سکتا ہے؟) اس باب میں انہوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب کہ آپ گھر میں تشریف فرما تھے' مسجد میں لوگوں کے بلند آواز سے بولنے کی آوازیں سنیں ان میں سے ایک یوں کہہ رہا تھا مجھے کچھ قرضہ معاف کر دو" ذرا مجھ پر مہربانی کر" دوسرا کہہ رہا تھا کہ "خدا کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا"۔(۳۰)

یہ سن کر نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے۔ فرمایا وہ شخص کہاں ہے جو اللہ کی قسم اٹھا کر کہہ رہا تھا کہ میں یہ نیکی کا کام نہیں کروں گا۔ وہ شخص سامنے آیا۔ اور کہنے لگا کہ میرا مقروض جو چاہے گا میں کرنے کو تیار ہوں۔(۳۱) بخاری شریف کی ایک دوسری روایت یوں ہے کہ کعب بن مالک کا عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کی طرف کچھ قرضہ تھا۔وہ انہیں رستے میں ملے تو کعبؓ نے انہیں پکڑ لیا۔ دونوں بلند آواز سے آپس میں جھگڑنے لگے۔ ادھر سے نبی کریم ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ آپؐ نے کعب بن مالک کو بلایا اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ آدھا قرض چھوڑ دے۔ کعب نے آدھا قرضہ معاف کر دیا اور آدھی رقم وصول کرلی"(۳۲) ابوداؤد شریف میں بھی یہ روایت موجود ہے اس کے آخر میں ان الفاظ کا یہ اضافہ ہے کہ ابن ابی حدرد سے حضورؐ نے فرمایا اٹھ اور قرض ادا کر۔"(۳۳)

اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر امام وقت دونوں فریقوں کو سمجھا بجھا کر دونوں میں صلح کروا دے اور مدعی سے کچھ معاف کروا دے تو ایسا کرنا درست ہے مگر اس میں زبردستی نہ کی جائے۔ اگر مدعی معاف نہ کرے تو اسے پورا حق دلایا جائے گا۔

امام بخاری نے هَلْ يَشِيْرُ الْإِمَامُ بِالصُّلْحِ کے عنوان کے تحت ہی یہ حدیث مبارکہ بھی بیان فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر شخص کے جسم کے تین سو ساٹھ جوڑ ہیں ان میں سے ہر جوڑ پر ایک صدقہ لازم ہے۔ فرمایا کہ دو بندوں کے درمیان عدل (سے صلح) کرا دینا بھی صدقہ ہے"۔ ایسے بھی ہوا کہ آپؐ نے عدل کی بجائے احسان کی راہ اختیار کرتے ہوئے کوئی فیصلہ فرمایا۔ لیکن احسان کا فیصلہ ایک فریق نے نہیں مانا تو پھر آپؐ نے کسی طرح کی نرمی کی بجائے عدل کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ بخاری میں روایت ہے کہ زبیر کہتے ہیں کہ ان کا ایک انصاری کے ساتھ کھیت کو پانی کی تقسیم کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ دونوں اپنے اپنے باغ کے لیے نالی کا پانی لیا کرتے تھے۔ اس پر جھگڑا ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے زبیر سے فرمایا تم اپنے درختوں کو پانی پلا لو' پھر اپنے ہمسائے کی طرف پانی چھوڑ دینا۔ یہ سن کر انصاری غصے میں آ گیا اور آپؐ کے فیصلے پر اعتراض کرنے لگا۔ نبی کریم ﷺ کو بھی اس کے اس رویے پر غصہ آیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا اے زبیر تو اپنے درختوں کو پانی پلا۔ جب پانی منڈیروں تک چڑھ جائے اس وقت تک پانی کو روکے رکھ۔ آپؐ نے زبیر کو اس کا پورا حق دلایا۔ پہلے جو حکم فرمایا تھا اس میں احسان کے تحت اپنے حق کی تکمیل سے قبل ہی پانی اگلے ہمسائے کے لیے چھوڑ دینے کا فیصلہ تھا لیکن جب اس نے گستاخی کی تو پھر آپؐ نے زبیر سے بھی کہہ دیا کہ تم اپنا حق اس سے ضرور پورا کرو (یہ رعایت کا مستحق نہیں ہے)(۳۴) بخاری اور دیگر کتب حدیث کی روشنی میں آپؐ کے صلح کروانے کے کی مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ صلح کے لیے ضروری ہے کہ مدعی کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر کوئی فریق کسی رعایت کے لیے تیار نہ ہو تو کسی ایک کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح کوئی ایسی صلح بھی جائز نہ ہوگی جس میں شریعت کی کوئی "حد" پامال ہوتی ہو۔ مثلاً ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میرا بیٹا ایک شخص کے پاس ملازم تھا۔ اس نے مالک کی بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اسے سنگسار کیا جائے۔ میں نے ایک لونڈی اور سو بکریاں دے کر اسے چھڑا لیا ہے۔ پھر میں نے اہل علم سے پوچھا ہے تو

انہوں نے بتایا ہے کہ میرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک برس کے لیے اسے جلا وطن کیا جائے گا۔ آپؐ نے فرمایا میں اللہ کی کتاب کے مطابق تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا۔ بکریاں اور لونڈی تجھے واپس ملے گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے۔ ایک سال تک جلا وطن رہے گا"(۳۵) گویا خدا کے معاملات میں کسی طرح کی صلح کی گنجائش نہیں ہے۔

ان کے علاوہ بھی کئی ایک مثالیں موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے درمیان صلح کروائی۔ انصار کے درمیان یوم بعاث کے سلسلے میں دوبارہ جھگڑا ہو گیا تو آپؐ نے اس موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا:

اے گروہ مسلمانان! اللہ سے ڈرو' میرے موجود ہوتے ہوئے تم جاہلیت کی باتیں کرنے لگے ہو۔ جب کہ اللہ نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی اور تمہیں عزت عطا کی۔ تم سے جاہلیت کے امور دور کر دیئے۔ تمہیں کفر سے نجات عطا کی۔ تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ شیطان کی کارستانی ہے اور دشمن کی سازش ہے۔ وہ رونے لگے اوس اور خزرج کے مرد آپس میں گلے ملے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی باتیں سنتے ہوئے اور سر تسلیم خم کئے ہوئے آپ کے ہمراہ واپس آگئے۔(۳۶)

حوالہ جات

باب سوم

۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد اوّل، صفحہ ۲۳۸

۲۔ بخاری، کتاب بدء الخلق، باب مناقب الانصار، حدیث نمبر ۳۷۷۹، ۳۷۸۰

۳۔ بلاذری، فتوح البلدان، صفحہ ۲۰، صفحہ ۳۰۷

۴۔ ایضاً

۵۔ مناظر احسن گیلانی، مولانا، النبی الخاتم، صفحہ ۹۱

۶۔ حسین ہیکل، حیاۃ محمد ﷺ، صفحہ ۲۸۱

۷۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، صفحہ ۱۱۰

۸۔ حسین ہیکل، حیاۃ محمد ﷺ، صفحہ ۲۲۷

۹۔ ایضاً،

۱۰۔ خالد علوی، ڈاکٹر انسان کامل، صفحہ ۳۲۵

۱۱۔ ابو عبیدالقاسم، امام، کتاب الاموال، صفحہ ۱۲

۱۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد اوّل، صفحہ ۳۱۳، ۳۱۴

۱۳۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد اوّل، صفحہ ۲۸۴، ۲۸۵

۱۴۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، (اردو ترجمہ) نور محمد کارخانہ تجارت، کراچی، جلد چہارم، صفحہ ۱۱۴ تا ۱۱۶

۱۵۔ الانفال: ۱

۱۶۔ الحجرات: ۹

۱۷۔ ابن الاثیر الجزری، تاریخ الکامل، جلد دوم، صفحہ ۱۲۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹- بخاری، کتاب الصلح، باب لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس، حدیث ۲۶۹۲ صفحہ ۲۱۴.
مسلم، کتاب البر ، باب تحریم الکذب و بیان ما یاح منه، حدیث نبر ۶۶۳۳.

۲۰- ابوداؤد، کتاب الادب، باب اصلاح ذات البین، حدیث نمبر ۴۹۲۰. صفحہ ۱۸۸۴.

۲۱- مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الکذب شرح نووی، جلد ششم، صفحہ ۲۳۱ ابوداؤد، کتاب الادب باب اصلاح ذات البین، حدیث ۴۹۱۹ . ۱۵۸۴.

۲۲- ابوداؤد، کتاب القضاء، باب الصلح ، حدیث نمبر ۳۵۹۴، صفحہ ۱۴۸۹ .
ترمذی، کتاب الاحکام، باب ماذکر عن رسول اللّٰہ فی الصلح بین الناس حدیث نمبر ۱۳۵۲، صفحہ ۱۷۸۷.

۲۲a- ابوداؤد ، ایضًا.

۲۲b- ترمذی،کتاب الاحکام، باب ماذکر عن رسول اللّٰہ فی الصلح بین الناس، حدیث نمبر ۱۳۵۲، صفحہ۱۷۸۷.

۲۲c- ابو یوسف، کتاب الخراج اردو ترجمہ. صفحہ ۵۱۳.

۲۳- ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، باب الامام یأتی قوم فیصلح، جلد ۱۳ ، صفحہ ۱۵۵

۲۴- سرخسی، المبسوط، جلد ۱۶ ، صفحہ ۶۱

۲۵- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد اوّل، صفحہ ۹۰

۲۶- ایضاً

۲۷-

۲۸- حاکم، مستدرک، جلد اوّل، صفحہ ۴۵۸

۲۹- بخاری، کتاب الصلح، باب قول الامام لاصحابه اذ هبوا بنانصلح، حدیث ۲۶۹۳ صفحہ ۲۱۴

۳۰- ایضاً، باب هل یشیر الامام بالصلح، حدیث نمبر ۲۷۰۵، صفحہ ۲۱۵

۳۱- ایضاً، حدیث نمبر ۲۷۰۵

۳۲- ایضاً، حدیث ۲۷۰۶، صفحہ ۲۱۵

۳۴- بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اشار الامام بالصلح، فابی حکم علیہ بالحکم البین، حدیث نمبر ۲۷۰۸، صفحہ۲۱۵

۳۵- بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جورفا الصلح، مردود، حدیث نمبر ۲۶۹۵،۲۶۹۶، صفحہ۲۱۴

۳۶- ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ ۲۰۵

چوتھا باب

استحکام مملکت کے لیے حکومتی ذمہ داریاں

ملک میں بدامنی اور بے چینی کے اسباب میں ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ حکمران عوام کے حقوق کی ادائیگی سے بے اعتنائی سے کام لینے لگتے ہیں۔ ایسی صورت میں عوام حکمرانوں سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ عوام اور حکمرانوں کے درمیان فاصلے پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اگر یہ فاصلے زیادہ دیر تک موجود رہیں تو نفرت کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ یہ نفرت بڑھ کر مظاہروں اور حکومت کے خلاف احتجاج کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ عوام ' حکمرانوں کو اپنے سے الگ تصور کرنے لگتے ہیں اور وہ اس بات کے منتظر رہنے لگتے ہیں کہ کب ان حکمرانوں کے اقتدار کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اس صورت حال میں عوام بد دل بھی ہو جاتے ہیں اور ریاستی معاملات سے وہ بالکل لاتعلق ہو جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اس تمام صورت حال سے بچنے کے لیے ایک قابل عمل لائحہ عمل دیا ہے۔ آپؐ کے سیاسی فلسفہ میں عوام کی خدمت وہ بنیادی اصول ہے جو عوام اور حکمرانوں کے درمیان محبت اور خیر خواہی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ یہاں حکمران عوام کا آقا نہیں بلکہ خادم ہوتا ہے۔ آپؐ نے حکمران کو عوام کی طرف سے تفویض شدہ امانت کا امین قرار دیا ہے۔ گویا وہ مختار کل نہیں بلکہ امانت کا امین ہے۔ اس امانت کی ادائیگی کے بارے میں اس سے عوام بھی استفسار کریں گے اور اللہ تعالیٰ بھی مواخذہ فرمائیں گے کہ اس نے امانت کا حق ادا کیا یا نہیں؟ عوام کی خدمت نہ کرنے والا حکمران اللہ کا بھی مجرم ہوتا ہے اور عوام کا بھی۔ حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَامِنْ اَمِیْرٍ یَّلِیْ اَمْرَ الْمُسْلِمِیْنَ ثُمَّ لَا یَجْھَدُ لَھُمْ وَیَنْصَحُ اِلَّا لَمْ یَدْخُلْ مَعَھُمُ الْجَنَّۃَ(۱)

کوئی ایسا شخص جسے مسلمانوں کے امور کا امیر بنایا گیا پھر اس نے ان امور کو صحیح طور پر چلانے کے لئے پوری جدوجہد نہیں کی تو ایسا امیر کبھی ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

مَامِنْ عَبْدٍ یَسْتَرْعِیْہِ اللّٰہُ رَعِیَّۃً فَلَمْ یَحُطْھَا بِنُصْحِہٖ اِلَّا لَمْ یَجِدْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ(۲)

کوئی بندہ ایسا نہیں کہ اللہ نے اسے رعیت دی ہو اور وہ پورے طور پر ان کی خیر خواہی نہیں کرتا وہ شخص جنت کی خوشبو نہیں پا سکے گا۔

مَامِنْ وَالٍ یَلِیْ رَعِیَّۃً مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَیَمُوْتُ وَھُوَ غَاشٌّ لَّھُمْ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ (۲a)

مسلمانوں کا کوئی والی ایسا نہیں کہ اللہ نے ایسے مسلمان رعیت دی ہو اور وہ مرے اس حال میں وہ لوگوں کے ساتھ دھوکہ کرتا ہو تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔

مَامِنْ عَبْدٍ یَسْتَرْعِیْہِ رَعِیَّۃً یَّمُوْتُ یَوْمَ یَمُوْتُ وَھُوَ غَاشٌّ لِرَعِیَّتِہٖ اِلَّا حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ (۲b)

کوئی بندہ ایسا نہیں جسے اللہ تعالیٰ ایک رعایا دے پھر وہ مرے جس دن تو رعیت کے حقوق میں خیانت کا مرتکب ہونے والا ہو۔ تو اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔

امن و امان قائم رکھنے کے لیے اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کی بنیادی ضروریات کی بہم رسانی کی ذمہ داری پوری کرے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَنَا وَلِیُّ مَنْ لَا وَلِیَّ لَہٗ(۳) (میں اس کا سرپرست ہوں جس کا کوئی سرپرست نہ ہو) ایک اور موقع پر فرمایا اَلسُّلْطَانُ وَلِیُّ مَنْ لَّا وَلِیَّ لَہٗ (۴) (حکمران اس شخص کا سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو)

ان احادیث کی روشنی میں علماء نے وضاحت کی ہے اگر ملک سے حاصل ہونے

والے محاصل ملک کے غرباء اور محتاجوں کے لیے کافی نہ ہوں تو سلطان ملک کے امراء کو مجبور کرے گا کہ وہ ان محتاجوں کی ضروریات کی تکمیل کا بندوبست کریں۔ حاجت مندوں کے لیے اس قدر مال کا بندوبست کیا جائے گا جس سے وہ بقدر ضرورت غذا حاصل کرسکیں۔ اسی طرح ہر موسم کے مطابق لباس اور محفوظ مکان بھی مہیا کرنا لازم ہوگا۔ اس سلسلے میں امام غزالی لکھتے ہیں' "سلطان پر لازم ہے کہ جب اس کی رعایا تنگی میں مبتلا ہو اور فاقہ اور مصیبت میں مبتلا ہو تو ان کی مدد کرے۔ اس مقصد کے لئے ایک مؤثر پالیسی نافذ کرنا اس کے فرائض میں داخل ہے اور اگر صرف زکوٰۃ ہے یہ مقصد پورا نہ ہو رہا ہو تو وہ مزید ٹیکس عائد کرسکتا ہے۔ خصوصاً قحط اور گرانی کے موقع پر ---- سلطان کا فرض ہے کہ عوام کو کھانا فراہم کرے۔ انہیں خزانے سے مال دے اور ان کی حالت کو بہتر بنائے۔(۵) ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ ہر زمانے کے حکمرانوں کا فریضہ ہے کہ جب انہیں اندیشہ ہو کہ قحط کے سبب عوام ہلاک ہو جائیں گے تو وہ اس موقع پر غذائی اشیاء کو محفوظ کرکے انسانوں میں بقدر ضرورت تقسیم کریں'(۶)

حدیث مبارکہ الخلق عیال اللہ کی تشریح کرتے ہوئے۔ سید علی زادہ نے امیر حکومت کے فرائض بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ امیر حکومت اپنی مملکت کے اندر کوئی ایسا فقیر نہ چھوڑے جسے عطا نہ کرے۔ کوئی ایسا مقروض نہ چھوڑے جس کی طرف سے قرض کو ادا نہ کرے۔ اور کسی کمزور کو اس کی امداد کے بغیر نہ چھوڑے۔ کسی مظلوم کو اس کی مدد کے بغیر نہ چھوڑے۔ نہ کسی ظالم کو ظلم کرنے دے۔ نہ کسی کو بغیر لباس مہیا کئے چھوڑے۔(۷)

مسلمان ماہرین سیاسیات لکھتے ہیں کہ خلیفہ وقت اگر گوشہ نشین ہو کر اپنا زیادہ وقت عبادات میں گزارنے لگ جائے تو یہ بات شریعت کی روح کے منافی ہے۔ اب اس کے ذمہ یہ بات ہے کہ وہ عبادات میں فرائض کی بجا آوری کے بعد سب سے زیادہ وقت عوام کے مسائل کے حل اور ان کی بہتری کے لیے سوچنے میں صرف کرے۔ سورۃ ص کی آیات نمبر ۲۰ تا ۲۴ میں چند داد خواہوں کا دیوار پھلانگ کر حضرت داؤد علیہ السلام کے عبادت خانہ میں داخل ہو جانا اور ایک مقدسہ حضرت داؤد کے سامنے پیش کرنے میں خلیفہ وقت کے لیے یہ تنبیہہ پائی جاتی ہے کہ خلیفہ صرف عبادات میں مشغول ہو کر مکمل وقت صرف نہ کردے بلکہ اس وقت اس کے اوقات عوام کی امانت بن جاتے ہیں۔(۸) اس کا عملی نمونہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے

راشدین کی زندگیاں ہیں کہ انہوں نے اپنے اور رعایا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہونے دیا۔ ابوداؤد شریف میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے۔

جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنایا اور وہ ان کی ضروریات اور ان کے فقر سے بے نیاز ہو کر بیٹھ رہا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضروریات اور اس کے فقر سے بے نیاز ہو جائے گا) فقر محض بھوک کے اعتبار ہی سے نہیں بلکہ اس سے مراد کسی فرد کی تمام وہ ضروریات ہیں جو اس کی زندگی کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ روٹی کپڑا' مکان' علاج اور دیگر بنیادی ضروریات اس میں شامل ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ جب حضرت امیر معاویہؓ کو سنائی گئی تو انہوں نے عوام کی ضروریات کی تکمیل کے لیے مستقل طور پر ایک بندے کو مقرر کر دیا۔(۹)

آپؐ نے لوگوں کے ساتھ انصاف کرنے والے حکمرانوں کے بارے میں فرمایا:

اِنَّ الْمُقْسِطِیْنَ عِنْدَاللّٰهِ عَلٰی مَنَابِرِ مِنْ نُّوْرٍ عَنْ یَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ وکُلَّمَا بِرَبِّهٖ یَمِیْنُ الَّذِیْ یَعْدِلُوْنَ فِیْ حُکْمِهِمْ وَاَهْلِیْهِمْ وَمَا وَلُّوْا۔(۱۰)

بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے پاس نور کے منبروں پر اس کے دائیں ہاتھ پر ہوں گے اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلہ میں اپنے لوگوں میں اور اپنے زیر حکومت امور میں عادل ہوں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عمال کو یہ ہدایات دے رکھی تھی کہ وہ لوگوں کے کاموں میں تاخیر سے کام نہ لیں ورنہ عوام حکومت سے مایوس ہو جائیں گے۔ ایسا کرنے سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہونے لگتی ہے۔ تاخیری حربوں سے عوام کے مسائل حل نہیں ہوتے اور عوام کے ذہنوں میں پیدا ہونے والی مایوسی اور بددلی سیاسی انار کی اور بے چینی پیدا کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

دیکھو! جب حکمران عوام کے کاموں میں توجہ نہیں دیں گے تو لوگوں کے دلوں میں حکمرانوں کے خلاف ایک نفرت پیدا ہوتی ہے'(۱۱)

اس سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک واقعہ اسلامی سیاست کا ایک سنہرا اصول ہے کہ ایک رات آپ بہت روئے۔ اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپؒ نے فرمایا کہ مجھے زمین

میں پھیلے ہوئے غریب الوطن ' خستہ حال بھکاری ' محتاج ' غرباء ' مجبور و مظلوم قیدی اور دوسرے لوگ یاد آئے۔ مجھے خیال ہوا کہ مجھ سے ان سب کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں میرے خلاف مقدمہ لڑیں گے۔ میں ڈرا کہ اللہ کے سامنے میرا کوئی عذر چل نہیں سکے گا۔ میں حضور اکرم ﷺ کو کس دلیل سے کس طرح قائل کرسکوں گا؟ اس پر میری جان لرز اٹھی۔(۱۲)

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا ہے۔

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ سعادت مند نگران وہ ہے جس کے ذریعے عوام کو سعادت نصیب ہو۔ اور سب سے بدبخت نگران وہ ہے جس کے ہاتھوں اس کی رعایا تباہ ہو جائے۔(۱۳)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی بھلائی چاہتے ہیں۔ تو ان کا حکمران دانش مند لوگوں کو بنا دیتا ہے۔ اور ان کا مال سخی لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیتا ہے۔ اور جب کسی قوم کی آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو ان پر نادانوں کو حکمران بنا دیتا ہے اور ان کے مال بخیل لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیتا ہے۔ جو شخص کسی بھی درجہ میں میری امت کے معاملات کا نگران بنااور اس نے ان کی ضروریات کو پورا کرنے میں نرم خوئی کا مظاہرہ کیا تو اس کی ضرورت کی گھڑی آنے پر اللہ بھی اس کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آئے گا۔ اور اگر وہ ان کی ضروریات سے لاتعلق رہا تو اللہ بھی اسی کی ضرورت و محتاجی کی طرف مطلق توجہ نہ دے گا۔ (۱۴)

اسلامی مملکت میں عوام کو کھلی اجازت ہوتی ہے کہ وہ اپنے مسائل و ضروریات براہ راست حکومت تک پہنچائیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو لوگ اپنی حاجات مجھ تک پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے ان کی ضروریات و مسائل میرے سامنے پیش کیا کرو۔ ایسا کرنے والا پل صراط پر سے استقامت سے گزر جائے گا۔(۱۵) اس حکمت عملی کے عملی مظاہر عہد نبوی میں بھی دکھائی دیتے ہیں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے عہد میں جب اسلامی مملکت میں بے پناہ وسعت پیدا ہو گئی اور متعدد قومیتوں اور ذہنی و مذہبی پس منظر کے دور دراز علاقے اسلامی مملکت میں شامل ہو گئے ان سب کی ایوان حکومت تک رسائی اتنی آسان ہو گئی کہ دنیا

www.KitaboSunnat.com

اس پر آج بھی رشک کرتی ہے۔ حضرت عمرؓ راتوں کو بھیس بدل کر عوام کے مسائل جاننے کے لیے گلیوں میں گشت کیا کرتے تھے۔ راہ گیروں کے مسائل سنتے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں کسی سرکاری افسر کی تعیناتی کے وقت اسے ایک ہدایت نامہ دیا جاتا تھا جس میں اس کے حقوق و فرائض کا ذکر کیا جاتا۔ وہ جس جگہ تعینات کیا جاتا وہاں کے لوگوں کو جمع کر کے انہیں یہ خط پڑھ کر سنایا جاتا تاکہ لوگوں کو اپنے حقوق کا پتہ چل سکے۔ لوگوں میں شعور بیدار کرنے' انہیں امور حکومت میں شریک کرنے' حکومت کو مطلق العنانی سے باز رکھنے میں یہ پالیسی بڑی مفید ثابت ہوئی۔(۱۶)

اس طرح کے حکم ناموں میں ایک حکم نامہ وہ ہے جو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ' صوبہ دار بصرہ کو دیا تھا۔ اس خط میں یہ ہدایات درج تھیں۔

(۱) عوام اپنے حکمران سے دور رہتے ہیں۔ اس روش سے اللہ کی پناہ مانگیں۔

(۲) روزانہ عدالت لگائیں۔

(۳) دنیوی فلاح پر اخروی فلاح کو ترجیح دیں۔

(۴) بد کردار لوگوں کی مکمل نگرانی کریں۔

(۵) مسلمان مریضوں کی عیادت میں کوتاہی نہ کریں۔ ان کے جنازوں میں شرکت کریں۔

(٦) عوام کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھیں اور ان کے معاملات میں ذاتی دلچسپی لیں۔

(۷) آپ عوام میں سے ہی ہیں (مساوات کی طرف اشارہ ہے) البتہ آپ کی ذمہ داریاں ان کے مقابلے میں زیادہ ہیں۔

(۸) عوام کے مقابلے میں آپ اور آپ کے اہل خانہ کی خوش لباسی' پر تکلف کھانا کھانے اور اعلیٰ سواری استعمال کرنے سے اجتناب کریں۔

(۹) جانوروں کی مانند ہری ہری گھاس سے پیٹ بھرنا خود کو موٹا بنا لینا ہے جس کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔

(۱۰) حاکم کی کجروی سے عوام بھی اسی طرح کے ہو جاتے ہیں۔ بدبخت ہے وہ حاکم جس کی وجہ سے عوام بھی بدبخت ہو جائیں۔(۱۷)

حضرت عمرؓ سرکاری عہدے داروں پر کڑی نگاہ رکھتے۔ عوام کے حقوق کی ادائیگی کے

سلسلے میں کوئی کوتاہی برداشت نہ کرتے۔ خصوصاً سرکاری خزانے کے غلط استعمال کو گوارا نہ کرتے۔ آپؓ کی ان پالیسیوں کا یہ مثبت اثر ہوا کہ عوام کو یہ یقین ہوگیا کہ حکمران ہر اعتبار سے ان کے خیر خواہ اور ان کے مفادات کے محافظ ہیں۔

اظہار رائے کی آزادی:

نبی کریمؐ کے دیئے ہوئے نظام سیاست میں لوگوں کو بلا تخصیص اپنی رائے کے اظہار کی اجازت تھی۔ آزادی رائے بھی امن و امان قائم کرنے میں مددگار ہوتی ہے۔ لوگ اپنے آپ کو ریاستی امور کی انجام دہی میں جب اپنی شمولیت کو محسوس کرتے ہیں تو انہیں طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ آپ کی اس حکمت عملی کی جھلک خلفائے راشدین کے ہاں دکھائی دیتی ہے۔

ایک شخص حضرت عمرؓ سے کہنے لگا اے عمر خدا سے ڈر اس نے یہ بات بار بار دہرائی۔ اس کے بار بار کہنے پر کسی نے اسے ٹوکا۔ لیکن حضرت عمرؓ فرمانے لگے۔ اسے مت روکو۔ یہ لوگ اگر ایسی باتیں ہمیں کہنا چھوڑ دیں تو پھر ان کا فائدہ ہی کیا؟ اگر ہم ان کی باتوں کو قبول نہ کریں تو ہمیں بھلائی سے عاری سمجھنا چاہیے۔ (۱۸)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے مجلس میں لوگوں سے پوچھا کہ اگر میں بعض معاملات میں ڈھیل اختیار کرلوں تو تم کیا کرو گے؟ حضرت بشر بن سعد نے کہا اگر آپ ایسا کریں گے تو ہم آپ کو تیر کی طرح سیدھا کر دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر تو تم بڑے کام کے آدمی ہو۔

خلافت راشدہ میں لوگوں کو جس طرح کی آزادی رائے حاصل تھی اس کی مثال آج کی دنیا میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ حضرت عمرؓ نے بر سر منبر فرمایا کہ لوگو اپنی بیویوں کے مہر کم مقرر کیا کرو" آپؓ کی اس بات پر ایک بڑھیا نے مواخذہ کیا اور کہا کہ جب قرآن اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ عورت کا مہر ڈھیر بھر مال بھی ہوسکتا ہے تو آپ کون ہیں جو اس کی تحدید کرتے ہیں؟ اس مواخذہ پر امیرالمومنین کو اپنا مشورہ واپس لینا پڑا۔(۲۰)

حضرت عمرؓ سے بھری مجلس میں سوال کیا گیا کہ آپ کی قمیض اتنی لمبی کیسے بن گئی جبکہ دیگر لوگوں کو بیت المال سے ملنے والے کپڑے سے اتنی لمبی قمیض نہیں بن سکتی تھی۔ خلیفہ کو اس کا جواب دینا پڑا۔(۲۱) خلفائے راشدین وقتاً فوقتاً عوام کے سامنے یہ اعلان کرتے

ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ تم میرے طرزِ عمل پر نگاہ رکھو۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا اگر میں کتاب و سنت کی اتباع کروں تو میری مدد کرو اگر میں اس راہ سے ہٹ جاؤں تو مجھے پکڑ کر سیدھا کر دو"(۲۲) حضرت عمرؓ اپنے عمال کو یہ حکم دیا کرتے تھے کہ۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کی بات سننا اور انہیں اپنے معاملات میں شریک رکھنا فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام نہ لینا۔(۲۲a)

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "لوگو! میرے اوپر تمہارے جو حقوق ہیں وہ میں تمہیں بتائے دیتا ہوں ان کے بارے میں تم میرا مواخذہ کرسکتے ہو۔"(۲۲b)

عمالِ حکومت کا مشفقانہ رویہ:

داخلی استحکام کی نبوی پالیسی کا ایک بنیادی پہلو یہ ہے کہ حکومتی اہل کار عوام کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کریں۔ کسی گورنر یا سرکاری اہل کار کی تعیناتی کے موقع پر اسے جو خصوصی ہدایات دی جاتی تھیں ان میں سب سے اہم ہدایت یہ ہوتی تھی کہ:

يَسِّرا وَلاَ تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلاَ تُنَفِّرَا وَتَطَاوَعَا وَلاَ تَخْتَلِفَا(۲۳)

لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔ سختی نہ کرنا۔ انہیں خوشخبری دینا لوگوں میں منافرت نہ پھیلانا ' انہیں متحد و متفق رکھنا اور اختلافات نہ پھیلانا۔

ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُمْ مَيَسِّرِيْنَ وَلاَ تَبْعَثُوْا مُعَسِرِيْنَ (۲۴)

تم لوگوں کے ساتھ نرمی کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو۔ سخت گیری کے لیے تمہیں تعینات نہیں کیا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ

اِنَّهٗ كَانَ لاَ يَرْضٰى مِنْ عُمَّالِهِ الشِّدَّةِ فِيْ اِسْتِيْفَآءِ الْحُقُوْقِ وَالتَّزِيْدُ عَلٰى مَاأمَرَ اللّٰهِ اِنْ يُؤْخَذَ النَّاسُ بِهٖ بَلْ كَانَ يُوْصِيْهِمْ بِالرِّفْقِ وَالْاَنَاةِ وَالْعَدْلِ وَعَدَمِ الْاِيْغَالِ فِي الْعُقُوْبَةِ(۲۵)

ان احادیث کی روشنی میں امور مملکت کے حوالے سے جو اصول اخذ کئے جاسکتے ہیں

وہ یہ ہیں۔

(ا) حکمران اس بات کے پابند ہیں کہ وہ ہر اعتبار سے لوگوں کے لیے سہولیات مہیا کریں۔ عام زندگی کی سہولیات (مادی سہولیات) سے لے کر لوگوں کے باہمی معاملات اور عوام اور حکومت کے درمیان کے معاملات' دفتری طریق کار حصول انصاف ' روزگار ' ذرائع رسل و رسائل غرض ہر جگہ آسانیاں اور سہولتیں پیدا کریں۔ اگرچہ گوناں گوں مسائل اور مجبوریوں اور کسی حد تک اس پہلو میں خاطر خواہ توجہ نہ دینے کے نتیجے میں خصوصا اسلامی دنیا میں لوگوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا ہے۔

جن احادیث کا سطورِ مذکورہ میں حوالہ دیا گیا ہے ان میں اس بات کی طرف بھی اشارہ موجود ہے کہ لوگوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت پیدا نہ کی جائے۔ ان احادیث میں چونکہ نبی کریم ﷺ سرکاری افسران سے مخاطب دکھائی دیتے ہیں' اس لیے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ کوئی ایسا قانون نافذ نہ کریں یا کوئی ایسا اقدام نہ کریں جس کے نتیجے میں لوگ انتشار و افتراق کا شکار ہوں۔ لوگ مختلف الخیال طبقات میں بٹ جائیں۔ ایک گروہ کی پشت پناہی کرکے دوسرے کو اشتعال نہ دلائیں۔ حکومتی پارٹی کا فرض ہے کہ وہ اپوزیشن کے ساتھ مستقل محاذ آرائی کی بجائے اس کے ساتھ بڑے بھائی کا رویہ اپنائے۔ احادیث زیر نظر میں حکمرانوں کے اس طرز حکومت کی بھی ممانعت دکھائی دے رہی ہے کہ "عوام کو باہم تقسیم کرو اور ان پر حکومت کرو" کیونکہ ان احادیث میں حکمران کی ذمہ داری قرار دی گئی ہے کہ وہ عوام کو متحد رکھیں۔ عوام کو متحد رکھنے کے لئے حکومت کی ذمہ داریوں کی فہرست بہت وسیع ہے اور شاید ان ذمہ داریوں کو شمار بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔ اس لئے حکومت نیک نیتی کے ساتھ خود ہی لوگوں کے اتحاد و یک جہتی کی فضا قائم رکھنے کی کوشش کرے۔

رعایا کے ساتھ حکمرانوں کے نرم رویہ کے بارے میں امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

خلیفہ کو ایک طبیب کا انداز اپنانا چاہیے کہ اگر وہ مریض کو بھلائی کی خاطر کوئی کڑوی دوائی دے دے تو ساتھ ہی وہ کوئی خوش ذائقہ چیز بھی دیتا ہے کہ کڑوی دوائی حلق سے نیچے اتر جائے۔(۲۶) حکمران کو وقتاً فوقتاً گرم و نرم پالیسی کی ضرورت ہوگی اگر وہ نرم اور مرغوب انداز اپنائے گا تو لوگوں کے لیے حق بات قبول کرنا آسان ہو جائے گا۔ اس مقصد کے تحت کی گئی نرمی

عبادت متصور ہوگی۔ امام ابن تیمیہ عوام کے ساتھ دل خوش کن انداز گفتگو اپنانے کو کامل درجے کی سیاست قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حکمران کو عوام کے ساتھ تحکمانہ لہجہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔(۲۷) اس سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کاایک بیان منقول ہے آپ فرماتے ہیں۔ واللہ میں ارادہ کرتاہوں کہ لوگوں کے سامنے حق کی تلخی پیش کروں لیکن ڈرتا ہوں کہ لوگ اس سے بھاگ جائیں گے پس میں صبر کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ دنیا کی شیرنی (حکومت کی طرف سے عوام کے لیے کوئی سہولت و انعام) آجائے تو میں اس شیرنی کے ساتھ حق کی تلخی کو پیش کر دوں"(۲۸) کتاب الاموال میں حضرت سلمان کا ایک قول منقول ہے' فرماتے ہیں "خلیفہ برحق وہ ہے جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرے۔ رعایا کے ساتھ شفقت سے پیش آئے جس طرح کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتا ہے"(۲۹) امام ابن تیمیہ حکمران کے لیے خوش گفتاری اور نرم روی کو لازمی قرار دیتے ہیں اس سلسلے میں انہوں نے قرآن مجید کی ان آیات کا حوالہ دیا ہے۔

(۱) وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ --------- وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران: ۱۳۳'۱۳۴)

(۲) خُذِالْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (الاعراف: ۱۹۹)

(۳) اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ --------- مَغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ (۱۱: ۱۱)

(۴) وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ --- اِنَّهٗ هُوَالسَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۴۱: ۳۴-۳۶)

اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِىَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِىْ شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْفُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِىَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِىْ شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهٖ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اے اللہ میری امت کے کسی معاملہ میں جسے ذمہ دار بنایا گیا اور اس نے لوگوں کے ساتھ سختی کا مظاہرہ کیا تو تو بھی اس کے ساتھ سختی ہی کر اور جسے کسی معاملہ میں امیر بنایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ نہ کیا تو تو بھی اس کے ساتھ شفقت نہ فرمانا"۔(۳۰)

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

اے انسانوں کی نگرانی کرنے والے لوگو! آگاہ رہو کہ امام کی بردباری اور نرم روی سے زیادہ نہ کوئی بردباری اللہ کو پسند ہے اور نہ کوئی نرم روی عزیز ہے اور نہ کوئی چیز اس سے زیادہ ہمہ گیر ہے۔ امام کی تند مزاجی اور بے تدبیری سے بڑھ کر زیادہ نہ کوئی تند مزاجی اور بے تدبیری اللہ کو ناپسند ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز ہمہ گیر نقصان کی حامل ہے۔"(۳۱)

حضرت عمرؓ کا یہ بیان سیاسی حکمت عملی میں آج کی جمہوریت کی حقیقی روح کا حامل ہے حکمران' عوام کا سرپرست اور محافظ ہوتا ہے۔ لوگ اس کی طرف اس امید سے دیکھتے ہیں کہ وہ ان پر بے لوث دست شفقت رکھے۔ لیکن اگر وہ عوام کی توقعات پورا کرنے کی بجائے ان سے سختی اور تندخوئی کا معاملہ کرے تو عوام بد دل ہو جاتے ہیں اور عوام کی بددلی سیاسی نظام کی ناکامی کا باعث بن جاتی ہے۔(۳۲)

نبی کریم ﷺ نے مملکت کے داخلی استحکام کے لیے یہ اصول بھی دیا ہے کہ حکمران اور عوام میں خیر خواہی اور اطاعت کا رشتہ قائم رہے۔ حکمران عوام کی خیر خواہی کریں اور عوام حکمرانوں کی اطاعت کریں۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ آپؐ نے عوام کو یہی حکم دیا ہے کہ وہ نظم و ضبط کے پابند رہیں۔ اگر حکمران اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہیں تو عوام بھی ان کی اطاعت کرتے رہیں۔ کیونکہ اگر عوام اطاعت کی بجائے سرکشی اور عدم اطاعت کی راہ اختیار کرلیں تو ملک میں طوائف الملوکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کے کچھ احکام ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

وَلَوِ اسْتَعْمَلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا(۳۳)

اگر تمہارے اوپر غلام کو حاکم مقرر کر دیا جائے تو تم تب بھی اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

اِنْ اُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ حَسِبْتُهَا قَالَتْ اَسْوَدُ يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا۔(۳۴)

"اگر تمہارے اوپر نک کٹا حبشی کالا غلام بھی حکمران بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ کے احکام جاری کرے تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

مَنْ یُطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَّعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ(۳۵)

جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

حضرت عبادہ بن صامت کہتے ہیں۔

بَایَعْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ وَعَلٰی اَثَرَةٍ عَلَیْنَا وَعَلٰی اَنْ لَّا تُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ وَعَلٰی اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَیْنَمَا کُنَّا لَا نُخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَةَ لَائِمٍ

ہم نے رسول اللہ ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی اس پر کہ تنگی اور کشادگی سازگاری اور ناسازگاری میں سمع و طاعت کریں گے۔ اور یہ کہ ہم اپنے امیر سے جھگڑا نہیں کریں گے اور جہاں کہیں بھی ہم ہوں گے حق بات کہیں گے اور ہم اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

یہ روایت مختلف سندوں سے بیان ہوتی ہے۔ ایک حدیث میں اس کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے کہ ہم اس وقت تک حکمرانوں کی اطاعت کریں گے جب تک کہ ہم ان سے کھلا کفر نہ دیکھ لیں۔(۳۶)

اگر حکمران کے کسی عمل سے ہمیں ذاتی طور پر اذیت بھی ہوئی تو یا ہمیں اس کا حکم ناگوار بھی گزرتا ہو تب بھی معاشرے کو بدامنی سے بچانے کے لیے اس کا حکم ماننے کا حکم دیا گیا ہے۔(یہ بات طے شدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ یعنی یہ اطاعت صرف انہی کاموں میں ہوگی جو شریعت کے مطابق ہوں)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

عَلَی الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ السَّمْعُ الطَّاعَةِ فِیْمَا اَحَبَّ اَوْکَرِہَ اِلَّا اَنْ یُّؤْمَرَ بِمَعْصِیَةٍ فَاِنْ اَمَرَ بِمَعْصِیَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ(۳۷)

مسلمان پر سمع طاعت لازم ہے چاہے اس سے وہ شخص خوش ہو یا ناخوش۔ سوائے

اس کے کہ اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے۔ ایسی صورت میں نہ اس حکم کا سننا لازم ہے نہ اس کی طاعت۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر لوگ ایک سربراہ کی قیادت پر متفق ہوں اور کوئی شخص ان کے اس اتفاق و اجتماع میں خلل ڈالے تو ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے۔(۳۸)

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ جب حاکم کو دیکھیں کہ وہ واضح طور پر شریعت کے خلاف کام کرتا ہے تو اس وقت خاموش نہ بیٹھے رہو بلکہ اس کے سامنے اس کا اظہار کر دو اور حق بات بیان کر دو۔ لیکن مسلمان حکمران سے لڑنا اور بغاوت کرنا حرام ہے اس پر علامہ نووی اجماع نقل کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کا ذاتی کردار فسق و فجور اور ظلم والا ہو۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس کی دلیل میں بہت سی احادیث ہیں۔ فاسق کو معزول نہ کرنے میں وہ یہ حکمت بیان کرتے ہیں کہ اس سے فساد اور خونریزی کا خطرہ ہے۔ ایسی صورت میں اسے نصیحت کرنا اور متنبہ کرنا لازم ہے" احادیث نبویہ کی روشنی میں فاسق حکمران کو گوارا کرنے (لیکن اس وقت تک جب تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی معصیت میں حکم جاری نہ کرتا ہو) کی گنجائش محض اس لیے ہے کہ مملکت میں خونریزی نہ ہو۔

جب ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ حکمران لوگوں کے حقوق صحیح طور پر ادا نہ کرتے ہوں۔ ایسی صورت حال کے بارے میں صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم پر جو ان کا حق ہے (ان کی اطاعت) وہ ادا کرتے جاؤ۔ ان کے عمل ان کے ساتھ ہیں۔ (وہ اپنے عملوں کا خمیازہ بھگتیں گے) اور تمہارے عمل تمہارے ساتھ۔(۳۹)

یہ سب کچھ محض مملکت کے استحکام اور امن و امان قائم رکھنے کے لیے گوارا کیا گیا ہے۔

مسلم شریف میں علقمہ بن وائل حضرمی سے روایت ہے کہ سلمٰی بن یزید جعفی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اگر ہمارے امیر ایسے مقرر ہوں جو اپنا حق تو ہم سے طلب کریں اور ہمارا حق نہ دیں تو اس وقت ہمارے لیے کیا حکم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے تین مرتبہ سوال کرنے کے باوجود جواب نہ دیا۔ لیکن پاس بیٹھے ایک اور صحابی اشعث بن قیس نے سوال کرنے والے کو گھسیٹا اور کہا کہ تم ان کی بات سنو اور اطاعت کرو ان پر ان کے عملوں کا بوجھ ہے اور

تمہارے اوپر تمہارے اعمال کا۔(۴۰)

ان تمام احکام کا مقصد حکمران کی آمریت کو تقویت دینا نہیں بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ لوگ بات بات پر بدامنی اور احتجاج اور ایجی ٹیشن کی راہ اختیار نہ کرلیں کیونکہ اس سے ملک غیر مستحکم ہو جاتا ہے۔ اطاعت امیر کا حکم اس شدت کے ساتھ دینے کامقصد یہ ہے کہ اسلامی مملکت ایک عام دینوی مملکت۔ بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اس کا مقصد دین اسلام کی دعوت اور اس کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہ ریاست بعثت نبوی کے اس مقصد کی تکمیل کرتی ہے کہ دین اسلام تمام دیگر نظاموں پر غالب کیا جائے۔ (لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ) (۴۱)

اگر چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کو احتجاج اور ایجی ٹیشن کی اجازت دے دی جائے تو مملکت بدامنی کا شکار ہو کر غیر مستحکم ہو جائے گی۔ نبی کریم ﷺ نے جو اطاعت کا حکم دیا ہے اس کا مقصد بدامنی کی روک تھام ہے۔ عوام کی آزادی رائے' حکمران سے مواخذہ کے حق اور اس کی غلطیوں کی نشاندہی اور ان غلطیوں کی اصلاح پر حکمران کو مجبور کرنے سے انہیں روکا نہیں گیا۔ لوگوں کو حکومت کے ساتھ تصادم سے روکا گیا ہے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کے سیاسی نظام میں اس مواخذے کا باقاعدہ طریق کار وضع کیا جائے تاکہ حکمران سے اختلاف اور لاقانونیت دونوں میں فرق قائم رہ سکے۔

نبی کریم ﷺ نے حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق برملا طور پر کہنے کی اجازت اور حوصلہ افزائی جس طرح فرمائی اس کا اندازہ آپؐ کے اس فرمان سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ

اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (۴۲)

جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل جہاد ہے

ان تعلیمات کی روشنی میں کسی بھی مملکت میں جزئیات مرتب کی جاسکتی ہیں کہ کس طرح

(۱) اطاعت امیر کا نظم بھی قائم رہے۔

(۲) امیر کو کس طرح پابند کیا جائے کہ وہ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کا پابند رہے۔

(۳) لوگ حکومت پر تنقید اور آزادی رائے کو کس طرح استعمال کریں گے۔

اگر ان جزئیات کو طے کرکے ان پر عمل درآمد کو یقینی بنا لیا جائے تو اسی میں اسلامی

مملکت کے استحکام کا راز مضمر ہو گا۔ اگر ان میں سے کسی ایک طرف بھی افراط تفریط سے کام لیا گیا تو نظام سیاست میں بے اعتدالی اور عدم توازن پیدا ہو جائے گا۔

مملکت میں استحکام اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جب امن و امان موجود ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ حکمران اور عوام کے درمیان خیر خواہی اور اطاعت کا رشتہ مضبوط ہو۔ لوگ حکمران کے خیر خواہ ہوں اور عوام حکمران کی بات مانیں اس سلسلے میں سورۃ نساء کی آیت نمبر ۵۹ بنیادی اہمیت رکھتی ہے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴۳)

اے ایمان والو اللہ اس کے رسول اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو۔

اس کے ساتھ ہی متصل یہ بھی فرما دیا کہ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اگر تمہارے درمیان (حکمران اور عوام کے درمیان) کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو پھر اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف رجوع کرو۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاصؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے امام کی بیعت کی اور اس نے ان کے ساتھ معروف کا معاملہ کیا تو عوام کو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اس کی اطاعت کریں لیکن اگر اس نے معروف کے ساتھ معاملہ نہ کیا تو اس کی اطاعت لازم نہیں۔(۴۴)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اِنَّمَا الطَّاعَةَ فِي الْمَعْرُوْفِ (۴۵) (اطاعت صرف معروف کاموں میں ہے) اسی بات کو آپ نے یوں بھی بیان فرمایا لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں)

حکمران اور عوام کے باہمی تعلق کے حوالے سے نبی کریم ﷺ نے یوں بھی ارشاد فرمایا کہ دین نصیحت و خیر خواہی کا نام ہے آپ نے فرمایا کہ خیر خواہی کا ایک جزء یہ ہے کہ ہر شخص اپنے حکمران کا بھی خیر خواہ ہو۔(۴۷)

نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اگر کسی شخص کو دس بندوں پر بھی امارت کیوں نہ دی گئی ہو' اس سے ان کے بارے میں سوال ہو گا کہ اس نے ان کے بارے میں اپنی ذمہ داری کو پورا کیا یا نہیں۔(۴۸)

جس طرح حکمران پر فرض ہے کہ وہ عوام کا خیر خواہ ہو اسی طرح عوام پر بھی فرض

13600

ہے کہ وہ حکمران کی خیر خواہی چاہیں۔ حافظ ابن عبدالبراس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے حکمران کی خیر خواہی کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ (۴۹) خیر خواہی کا ایک مفہوم یہ ہے کہ پورے اخلاص کے ساتھ اس کی بات کو سنا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر امام کے اندر کچھ خامیاں اور کمزوریاں دیکھو تو انہیں حکمت کے ساتھ دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اتنی بات تو لازم ہے کہ ان برائیوں کو روکنے کی کوشش تو بہرحال کرنا ہوگی۔ کیونکہ برائی کو روکنا مسلمان پر لازم ہے۔ لیکن اس کے لیے مناسب اور پُر حکمت انداز اختیار کرنا بھی اتنا ہی لازم ہے جتنا برائی سے روکنا۔ اس سلسلے میں حکمران کو براہ راست فون ، فیکس کرکے ، اخبارات میں مضمون لکھ کر، کسی میٹنگ میں معقول انداز اختیار کرتے ہوئے اسے اس کی خامیوں سے آگاہ کر دیا جائے اس کا مطلب یہ ہرگز نہ لیا جائے کہ لازمی طور پر اس کی پگڑی ہی اچھالی جائے۔ اسے مجرموں کی طرح کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے۔ بلکہ ایک معقول عزت دارانہ طریقے سے خیر خواہی اور اصلاح کے جذبے کے ساتھ ایسا کیا جائے۔ یہاں سورۃ النحل کی آیت نمبر ۱۲۵ سے راہنمائی لی جاسکتی ہے جہاں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے راستے کی جانب بلاؤ، حکمت ، موعظۃ الحسنۃ یعنی عمدہ نصیحت اور احسن طریقے سے بحث و تمحیص کرتے ہوئے۔ حکمت کا معنی یہ ہے کہ اپنی بات کو پورے منطقی دلائل کے ساتھ معقول الفاظ اور معقول محل کا انتخاب کرتے ہوئے بات کی جائے۔ اسی طرح **موعظۃ الحسنۃ** کا معنی ہے کہ دوسرے کو اس انداز سے نصیحت کرو کہ وہ اس میں اپنی توہین اور بے عزتی محسوس نہ کرے۔ اسے محسوس ہو کہ یہ شخص میرا خیر خواہ ہے یہ انداز اگر اختیار کیا جائے تو حکمران بھی اپنے اوپر تنقید کو خوش آمدید کہے گا۔ فضا بھی تکدر کا شکار نہیں ہوگی۔ (۴۹)

اسی حوالے سے علماء کے ایک طبقہ نے اس نیک مقصد کے تحت اہل حکومت سے تعلق رکھنے کو جائز قرار دیا ہے کہ ایک اچھے اور خیر خواہی کے ماحول میں حکمرانوں کو نصیحت کی بات بتائی جاسکے۔

حضرت عائشہ صدیقہ سے ایک روایت مروی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :

جس شخص کی رسائی سلطان وقت تک ہو اور کسی ضرورت مند کی ضرورت کو اس

کے سامنے اس لیے بیان کرے کہ وہ ضرورت مند خود اس تک رسائی پر قادر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے پل صراط پر سے جہاں لوگوں کے قدم پھسل جائیں گے ' ثابت قدمی عطا فرمائیں گے۔(۵۰)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"عنقریب میرے بعد نظام سلطنت چلانے والے بادشاہ ہوں گے۔ پس جو شخص ان کے پاس جائے اور ان کے جھوٹ کی تصدیق کرے اور ان کے ظلم میں ان کی معاونت کرے وہ مجھ سے نہیں اور میں اس سے نہیں۔" قیامت کے روز وہ حوض کوثر سے فیض یاب نہ ہو سکے گا۔ البتہ جو شخص حکمرانوں کے جھوٹ کی تصدیق نہ کرے اور نہ ان کے ظلم میں ان کی معاونت کرے تو وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ حوض کوثر سے مستفیض ہونے کا حق دار ہے۔(۵۱)

عدل کی فراہمی:

عدل کا قیام بھی عوام میں اتحاد و یگانگت کا ذریعہ ہوتا ہے اور حکومت اور عوام کے درمیان بھی قرب کا باعث بنتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حکمرانوں کی طرف سے عوام کو عدل کی فراہمی ایک بنیادی ذمہ داری قرار دیا۔ قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کو بطور سربراہ مملکت اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ آپ عدل فراہم کریں۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (۵۲)

جو کچھ اللہ نے آپؐ پر نازل کیا ہے اس کے مطابق فیصلے کریں۔

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (۵۳)

(اگر ان کے درمیان فیصلے کریں تو عدل کے مطابق کریں)

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (۵۴)

(جب لوگوں کے درمیان فیصلے کریں تو عدل کے مطابق کریں۔)

اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (۵۵)

(مجھے حکم دیا گیا ہے کہ عدل کے مطابق فیصلے کروں

سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۲۵ میں انبیائے کرام کی بعثت کے مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔
ان مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی کتاب کی روشنی اور حق کو واضح کرنے کے لیے دلائل و براہین پیش کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں میں عدل و قسط بھی قائم کرتے ہیں۔ فرمایا:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

(یقیناً ہم نے رسول روشن "دلائل کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتابیں اور میزان نازل کی تاکہ لوگوں میں عدل قائم ہو)

چنانچہ ماہرین سیاسیات نے بھی عدل کے قیام اور ظلم کے انسداد کو اسلامی ریاست کے بنیادی مقاصد اور سربراہ مملکت کے فرائض میں اہم ترین فرض قرار دیا ہے۔(۵۶)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

تمہارے درمیان جو شخص کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اسے اس کا حق دلا دوں اور تم میں سے جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے حق وصول کرلوں۔(۵۷)

نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کی پالیسی کا بنیادی ستون یہ تھا کہ لوگوں میں سے کسی کو کسی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ حضرت عمر کی یہ مستقل پالیسی تھی کہ وہ حج کے موقع پر اپنے سرکاری افسروں کے رویے کے بارے میں لوگوں سے پوچھتے تھے۔ اگر ان میں سے کسی نے کسی پر زیادتی کا ارتکاب کیا ہوتا تو عوام کے سامنے اس سے بدلہ لیا جاتا۔ مصر کے گورنر کے بیٹے نے کسی شخص کو مارا تھا۔ آپ نے سرعام اس کا بدلہ دلایا۔ اس پالیسی کے اثرات بھی لوگوں نے دیکھے کہ کسی بااثر ترین شخص کو بھی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ وہ کسی ادنیٰ ترین شخص پر ہاتھ اٹھائے۔ (۵۸)

اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ عَزَّوَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِيْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوْا(۵۹)

بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے ہاں نور کے منبروں پر (بیٹھے) ہوں گے۔ وہ رحمٰن عزت و جلالت والے کے دائیں جانب ہوں گے۔ وہ رحمٰن کی دونوں سمتیں دائیں ہی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو عدل کرتے ہیں۔ اپنے بال بچوں اور عزیزوں اور جو کام انہیں دیا جائے اس میں انصاف کرتے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن بہتر آدمی عادل امام اور لوگوں سے نرمی کرنے والا ہو گا اور بدترین شخص ظالم امام ہو گا۔

آپؐ نے فرمایا "حاکموں میں بدترین حاکم وہ ہے جو ظالم ہو"(۶۰)

نبی کریم ﷺ نے عادل حکمران کی پہچان یہ بتلائی کہ وہ لوگوں کے مسائل حل کر کے انہیں مطمئن کرتا ہے اور ظالم حکمران وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بہت سے شکوے شکائتیں کی جائیں۔(۶۱) آپؐ نے فرمایا "اِنَّ شَرَّ الرُّعَآءِ الْحُطَمَةُ" (۶۲) بے شک شریر حکمران جہنم کے گڑھے میں گریں گے۔

داخلی استحکام کے لیے حکومت کی پالیسیوں کے حوالے سے نبی کریم ﷺ نے جو طریق کار پیش فرمایا اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپؐ نے شہریوں کو آزادی رائے دی ہے۔ یہ بات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب لوگوں کی آزادی رائے کا حق سلب کیا جاتا ہے کہ ملک میں بدامنی پھیلتی ہے۔ مظاہرے ہوتے ہیں۔ عوام کے دلوں میں حکومت کے خلاف لاوا پکتا رہے تو وہ بالآخر خونی انقلابات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ سیرت طیبہ سے ایسی لاتعداد مثالیں ملتی ہیں کہ آپؐ کے سامنے دیہاتی اور ان پڑھ لوگوں نے درشت انداز سے سوالات کئے۔ صحابہ کرام کو ان دیہاتیوں کا انداز ناگوار گزرا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے اپنے جانثاروں کو یہ کہہ کر چپ کروا دیا کہ جو کچھ وہ کہنا چاہتا ہے اسے کہنے دو۔ بعض اوقات تو سائل سوال پہ سوال کرتا جاتا لیکن آپ اس کا برا نہ مناتے۔

نبی کریم ﷺ کی اس حکمت عملی کا ہمیشہ مثبت نتیجہ برآمد ہوا۔ ان سوالات کے جواب میں آپؐ نے کبھی بھی پیشانی پر شکن نہیں ڈالی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سائل کی تشفی ہو جاتی اور وہ ہر اعتبار سے مطمئن ہو کر اسلام قبول کرلیتا۔ آپ کے حلم و بردباری کا ذکر وہ اپنے قبیلہ کے سامنے جاکر بھی کرتا۔

عدل کا قوموں کے استحکام و بقا میں کس قدر کردار ہے' اس کا اندازہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا:

اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُقِيْمُوْنَ الْحَدَّ عَلَى الْوَضِيْعِ وَيَتْرُكُوْنَ عَلَى الشَّرِيْفِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ فَاطِمَةُ فَعَلَتْ ذَالِكَ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔

"بے شک جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں وہ کمزور مجرموں پر حدیں جاری کر دیا کرتے اور بااثر لوگوں کو ویسے ہی چھوڑ دیتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر فاطمہ بھی اس طرح کے جرم کا ارتکاب کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتا۔"

عدل کے مقابل ظلم ہے۔ ظلم کا مطلب ہے جسے جو حقوق شریعت' اخلاق' معاشرہ اور روایت کے ذریعے کسی کو ملے ہیں ان حقوق کو سلب کرلینا۔ اگر لوگوں کے حقوق سلب ہوں تو وہ بے چین ہو جاتے ہیں۔ ظلم جس قدر بڑھتا ہے۔ بے چینی اسی قدر بڑھتی ہے۔ بے چینی بدامنی' لاقانونیت' فساد کا سبب بنتی ہے۔ جب یہ لاقانونیت بڑھتی ہے تو ہنگامے اور ایجی ٹیشن کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

حوالہ جات

چوتھا باب

۱- مسلم' امام الجامع الصحیح' کتاب الامارۃ' باب فضیلۃ الامام العادل. حدیث نمبر ۴۷۳۱. صفحہ ۱۰۰۶.

۲- بخاری' الصحیح البخاری' کتاب الاحکام' باب من استرعیٰ رعیۃ فلم ینصح حدیث نمبر ۷۱۵۰ صفحہ ۵۹۵.

۲a. ایضاً' حدیث نمبر ۷۱۵۱' صفحہ ۵۹۶

۲b. مسلم' کتاب الامارۃ باب فضیلۃ الامام العادل حدیث نمبر ۴۷۲۹' صفحہ ۱۰۰۶

۳- جامع ترمذی' ابواب الفرائض باب ماجاء فی میراث المال

۴- جامع ترمذی' ابواب النکاح باب ماجاء لانکاح الابولی

ابو دائود' کتاب النکاح باب الولی

۵- غزالی' امام' التبرک المسبوک' صفحہ ۹۴

۶- ایضاً

۷- بحوالہ حفظ الرحمن سیوہاروی' مولانا اسلام کا اقتصادی نظام' طبع ندوۃ المصنفین' دھلی ۱۹۵۹' صفحہ ۱۲۹'۱۳۰

۸- سعداللہ' حافظ' بنیادی ضروریاتِ زندگی اور اسلام' لاہور' ۱۹۹۹' صفحہ ۲۵۸

۹- علی المتقی' کنزالعمال' جلد پنجم' حدیث نمبر ۲۵۱۲

۱۰- مسلم' کتاب الامارۃ' باب فضیلۃ الامام العادل وعقوبۃ الجائر' حدیث نمبر ۴۷۲۱' صفحہ ۱۰۰۵.

۱۱- ابوعبیدالقاسم بن سلام' کتاب الاموال' دارالفکر للطباعۃ والنشر' قاھرہ

۱۹۸۱' صفحہ ۱۲

۱۲- علی المتقی' کنزالعمال' جلد پنجم' حدیث' نمبر ۲۵۱۲

ابو یوسف' امام' کتاب الخراج' (اردو ترجمہ اسلام کا نظام محاصل') مترجم ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی' مکتبہ چراغ راہ کراچی' ۱۹۶۶. صفحہ ۱۳۹. ۱۴۰

۱۳- کتاب الخراج' صفحح ۱۳۴.

۱۴- کتاب الخراج' صفحہ ۱۲۰.

۱۵- ابن تیمیہ' السیاسۃ الشرعیۃ' دارالکتب العربیہ' لبنان' صفحہ ۴۱

۱۶- بحوالہ' حامد الانصاری' اسلام کا نظام حکومت

۱۷- کتاب الخراج ابو یوسف' کتاب الخراج ۱۲۹.

۱۸- حسین ہیکل' عمر فاروق اعظم' جلد دوم' صفحہ ۲۱۵.

۱۹- کنز العمال جلد پنجم' حدیث نمبر ۲۴۱۴

۲۰- ابن کثیر' تفسیر القرآن العظیم' جلد اول' صفحہ ۴۶۷.

۲۱- ایضاً حیسن ہیکل' عمر فاروق اعظم' جلد دوم صفحہ ۲۱۵.

۲۲- ابن ہشام' السیرۃ النبویہ مطبعہ مصطفٰی البابی' مصر' جلد چہارم' صفحہ ۳۱۱. ۱۹۳۶.

کنزالعمال' جلد پنجم' احادیث نمر ۲۲۶۱' ۲۲۶۴' ۲۲۶۸' ۲۲۷۸' ۲۲۹۱' ۲۲۹۹.

۲۲a. کتاب الخراج' صفحہ ۱۱۷.

۲۳- مسلم' جلد ششم' صفحہ ۷

۲۴- ایضاً' صفحہ ۱۱۷

۲۵- النجارہ عبدالوہاب' الخلفاء الراشدون' صفحہ ۲۳۷

۲۶- مسلم' جلد ششم' صفحہ ۱۱۷

۲۷- ابن تیمیہ' السیاسۃ الشرعیۃ' صفحہ ۱۱۷

۲۸- ایضاً
۲۹- کتاب الاموال، صفحه ۱۲
۳۰- مسلم، جلد ششم، صفحہ ۷
۳۱- ابو یوسف، امام، کتاب الخراج، صفحه ۱۲۹
۳۲- کتاب الاموال، صفحه ۱۲
۳۳- مسلم، کتاب الاحارة، باب و جوب طاعة الامراء، حدیث نمبر ۴۷۵۸، صفحه ۱۰۰۸
۳۴- ایضاً مسلم، کتاب الامارة، باب وجوطاعة الامراء، حدیث نمبر ۴۷۶۲، صفحه ۱۰۰۸
۳۵- ایضاً، حدیث نمبر ۴۷۴۷، صفحه ۱۰۰۷
۳۶- ایضاً، حدیث نمبر ۴۷۶۸، ۴۷۷۱، صفحه ۱۰۰۹
۳۷- ایضاً، حدیث ۴۷۶۳، صفحه نمبر ۱۰۰۸
۳۸- مسلمه، کتاب الامارة، باب حکم فی فرق امر المسلمین، وهد صبتح، حدیث نمبر ۴۷۹۶، صفحه ۱۰۱۰
۳۹- ایضاً، حدیث ۴۷۷۵، صفحه ۱۰۰۹
۴۰- ایضاً، حدیث نمبر ۴۷۸۲، صفحه ۱۰۰۹
۴۱- التوبة: ۳۳ الصف: ۹ الفتح: ۲۸
۴۲- ترمذی، سنن ترمذی، المجلد الثالث، ص ۳۱۸، ابواب الفتن، باب افضل الجهاد کلمة عدل عند سلطان جائر
۴۳- النساء: ۵۹
۴۴- التمهید ۲۸۰/۲۳
۴۵- مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب طاعة الامراء، حدیث ۴۷۶۵، صفحه ۱۰۰۸

٤٦- کنز العمال، المجلد السادس، صفحه ٦٧، حدیث نمبر ١٤٨٧٤

٤٧- مسلم، کتاب الایمان، باب ان الدین النصیحة، حدیث نمبر ١٩٦، صفحه ٦٨٩

٤٨- الطبرانی فی الکبیر ١١/١١٤

٤٩- التمهید، ٢١/٢٨٤

٥٠- التمهید، ١٣/٥٣

٥١- التمهید، ٢١/٢٨٦

٥٢- المائدة: ٤٩

٥٣- المائدة: ٤٢

٥٤- النساء: ٥٨

٥٥- الشوریٰ: ١٥

٥٦- الماوردی، الاحکام السلطانیه، صفحه ١

ابن تیمیه، السیاسة الشرعیة، ابتدائی ٩٥ صفحات اسی موضوع پر هیں.

٥٧. حسن ابراهیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، صفحح ٢٠٥.

٥٨. حسین هیکل، عمر فاروق اعظم، حصه دوم، صفحه ٢١٩.

النجار عبد الوهاب، الخلفاء، الراشدون، صفحه ٢٢٨.

٥٩- مسلم، کتاب الامارة، باب فضیلة الامیر العادل، حدیث نمبر ٤٧٢١، صفحه ١٠٠٦

٦٠- مسلم، کتاب الامارة، باب فضیلة الامیر العادل، حدیث ٤٧٣١، صفحه ١٠٠٦

٦١- ابوعبیدالقاسم بن سلام، کتاب الاحوال، صفحه ١٣

٦٢- مسلم، جلد ششم، صفحه ٧

٦٣. بخاری، کتاب الحدود، باب اقامة الحدود علی الشریف والوضع، حدیث نمبر ٦٧٨٨، صفحه ٥٦٦.

مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف وغیره، والنهی، عن الشفاعة فی الحدود، حدیث نمبر ٤٤١٠ تا ٤٤١٣.

پانچواں باب

فساد و بدامنی کا انسداد- حدیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

بدامنی اور فساد خاندانوں' معاشروں اور ممالک کو تباہی و بربادی کی طرف دھکیل دیتے ہیں- فساد کی صورت میں معاشرتی' معاشی اور سیاسی امن درہم برہم ہو جاتا ہے- بدامنی کی فضا میں علوم و فنون کی ترقی رک جاتی ہے صنعتی ترقی کے لیے فضا سازگار نہیں رہتی- بلند تراقدار پنپ نہیں سکتیں- معاشرے کا ہر فرد مستقل طور پر خوف و ہراس کا شکار ہو جاتا ہے- اگر افراد زیادہ دیر تک خوف و ہراس کا شکار ہو جاتا ہے- اگر افراد معاشرہ زیادہ دیر تک خوف و ہراس کی کیفیت میں مبتلا رہیں تو ان کی صلاحیتیں تباہ ہو جاتی ہیں- افراد نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں علومِ وفنون کی ترقی مطلوب ہو یا صنعتی ترقی کا پروگرام ہو' صرف پرامن فضا میں ہی ممکن ہو سکتا ہے' فساد اور بدامنی کی فضا میں تو کوئی شخص رہنا بھی گوارا نہیں کرتا- لوگ فساد زدہ علاقوں سے نقل مکانی کر جاتے ہیں-

اسلام ایک روشن خیال اور فطری دین ہے- وہ علوم و فنون اور معاشرت و معیشت میں ترقی چاہتا ہے- اسلام یہ بات گوارا نہیں کرتا کہ انسانی زندگی اور اعلیٰ اقدار کے فروغ میں کسی بھی طرح جمود اور تعطل پیدا ہو- اس لیے اس نے فتنے فساد کے استیصال اور خاتمے کے لیے مؤثر اور مثبت لائحہ عمل دیا ہے- قرآن مجید فتنے فساد کی مذمت بھی کرتا ہے اور اس کے انسداد کے لیے لوگوں کی ذہنی تربیت بھی کرتا ہے- اس کے ساتھ ساتھ وہ عبرت کے لیے حدود و تعزیرات کی صورت میں سزائیں بھی نافذ کرتا ہے تاکہ جن پر کوئی نصیحت اثر نہ کرے انہیں قانون کی شکنجے میں جکڑ کر انہیں لاقانونیت سے روکا جائے-

فتنے فساد کی مذمت: قرآن مجید نے فساد اور بدامنی کی مذمت کرتے ہوئے کئی ایک پیرائے اختیار کئے ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہے۔

اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (۱)

شرارت قتل سے بھی زیادہ سخت ہوتی ہے۔

اسی سورۃ میں دوسری جگہ فرمایا:

اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (۲)

شرارت قتل سے بھی زیادہ بڑھ کر ہے

قرآن مجید کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ زمین پر فساد کی اصل جڑ اللہ کے دین اور اس کے احکام کے اجراء اور غلبے کی بجائے انسانوں پر انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کا اجراء و نفاذ ہے۔ انسان انسانوں کے استحصال کے لیے قوانین بناتے ہیں تو زمین میں فساد بپا ہوتا ہے۔اس فساد کے خاتمے کا واحد حل یہ ہے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے ضابطوں سے انسانوں کو نجات دلائی جائے۔ نبی کریم ﷺ نے مختلف قبائل کو جو دعوتِ اسلام دی اس میں آپؐ یہی فرمایا کرتے تھے کہ "کلمہ طیبہ پڑھ لو تم امن میں ہو جاؤ گے"(۳) کافر لوگ اس دعوت کی مخالفت اور مزاحمت کرکے ظلم اور استحصال کے نظام کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور یوں زمین پر ظلم کے لیے راہ ہموار کرکے فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن مجید اس روش پر چلنے والوں کو متنبہ کرتا ہے کہ فتنہ یعنی لوگوں کو تشدد کے ذریعے راہ حق سے روکنا' قتل سے بھی زیادہ بڑا اور شدید قسم کا گناہ ہے۔ فتنہ قتل سے بھی زیادہ شدید اور برا ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اپنے ہولناک اور مہلک ہونے کے اعتبار سے قتل سے بھی شدید تر ہے۔

فتنہ پروری منافق کا کام ہے:

قرآن مجید فتنے فساد کی مذمت اس طرح بھی کرتا ہے کہ یہ منافقین کا طرز عمل ہے کہ وہ فتنہ پرداز ہوتے ہیں۔ منافقین اسلام دشمنی کی وجہ سے ہر روز مسلمانوں کے لیے کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا کرتے رہتے۔ کبھی کہیں جھگڑا کروا دیتے۔ کبھی مسلمانوں کے راز یہودیوں کے سامنے مرچ مصالحہ لگا کر پیش کرتے۔ پھر مسلمانوں کے خلاف بیٹھ کر سازش تیار کیا کرتے۔ حتیٰ

کہ نور ہدایت کو بجھانے کی بھی جسارتیں کی گئیں۔ انہی منافقین کی جاسوسی پر مبنی کارستانیوں کے نتیجے میں یہود اور کفار مکہ کا گٹھ جوڑ قائم تھا یہ مل کر مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے۔

یہ منافقین مسلمانوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرکے انہیں آپس میں لڑانے کی کوشش کیا کرتے۔ ایک موقع پر صحابہ کرام کی باہمی محبت کو دیکھ کر منافقین نے ان میں پھوٹ ڈالنے کا منصوبہ بنایا۔ مسلمانوں میں اپنے بندے چھوڑ دیئے جو ان میں باہم اشتعال پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ اپنے منصوبے میں ایک روز کامیاب ہوگئے۔ جنگ بعاث کے واقعات کو اچھال کر اوس اور خزرج کو باہم لڑا دیا۔ قریب تھا کہ تلواریں نکل آتیں۔ فیصلہ کیا گیا کہ حرہ کے میدان میں نکل کر اپنے جوہر دکھائیں۔ نبی کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ فوراً لڑائی کی جگہ تشریف لے گئے۔(۴)

صحابہ کرامؓ کو قرآن مجید کی یہ آیات سنائیں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا(۵)

تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور باہم تفرقہ نہ کرو اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی پھر تم اللہ کی نعمت کے نتیجے میں بھائی بھائی بن گئے اور تم تباہی کے گڑھے کے کنارے پر تھے اور اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا۔

نبی کریم ﷺ اس بات سے آگاہ تھے کہ اگر لوگوں میں دوبارہ خاندانی تعصبات نے جگہ پالی تو یہ پھر سے منتشر ہو جائیں گے اور دور جاہلیت کی طرح ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔ جیسا کہ آپؐ کے بعد خاندانی تعصبات میں پڑ کر لوگ پارہ پارہ ہوگئے۔

منافقین ان مفسدانہ حرکتوں کے باوجود اپنے آپ کو "مصلح" قرار دیتے۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ مفسد ہیں۔ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ (آگاہ ہو جاؤ کہ یہی لوگ مفسد ہیں)

مسلمانوں کو باہم لڑانے کی روش اس اعتبار سے زیادہ قابل مذمت تھی کہ یہ نبی کریمؐ

کی ان کاوشوں کو بے اثر کرنے کی گھناؤنی حرکت تھی۔ گویا لوگوں کو متحد کرنے کی پیغمبرانہ جدوجہد کو بے اثر کرنے کی یہ سازش تھی۔ قرآن مجید ان کی اس حرکت کا ذکر یوں کرتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ(٦)

جب انہیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ مچاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

منتشر اور متفرق لوگوں میں فساد پیدا کرنا قابل مذمت ہے۔ لیکن اخوت کی لڑی میں پروئے ہوئے لوگوں میں فساد ڈالنا نہایت ہی قبیح حرکت ہے۔ اس آیت سے واضح ہوا کہ کوئی شخص، کوئی گروہ اور جماعت یا ادارہ، کوئی تحریری مواد، اخوت و محبت میں پروئے ہوئے لوگوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ منافقانہ حرکت ہوگی۔ کسی کی اس طرح کی حرکت سے منافقین کے مماثل کر دے گی۔ اور منافقین کے انجام کے بارے میں قرآن مجید نے دو ٹوک الفاظ میں فرمادیا ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ(٧)

"بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجے میں رہیں گے"

مسلمانوں کو منافقانہ طرز عمل سے بچانے کے لیے قرآن مجید نے ان کی اس روش کا ذکر کئی جگہ پر کیا ہے کہ مسلمانوں کا اتحاد اور اسلام کی ترقی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی اور وہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیتے۔ اس سلسلے میں ان کے طرز عمل کی ایک جھلک سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۴۸ اور ۴۹ میں پیش کی گئی ہے کہ "اے نبی ﷺ جب آپ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تشریف لائے تھے اس وقت بھی انہوں نے فساد بپا کرنے کی کوشش کی تھی اور آپ کے کئی کاموں کو انہوں نے الٹ پلٹ کرنے کی کوشش کی اور اس دوران حق آگیا اور انہیں حق کا آنا بڑا ناگوار گزرا۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ منافق تو فتنے میں گرے پڑے ہیں۔"

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۰۴ میں بھی منافقین کے اس شرپسندانہ رویے کا ذکر کر کے اس کی مذمت کی گئی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا

فِیْ قَلْبِہٖ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ○ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْھَا وَیُھْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ○

لوگوں میں سے کوئی ایسا شخص ہے کہ اس کی (چرب زبانی سے کی ہوئی) دنیوی بات آپ کو بھلی لگتی ہے اور وہ دل کی سچائی پر اللہ کو گواہ بناتا ہے۔ حالانکہ وہ بڑا جھگڑالو ہے۔ جب وہ لوٹ کر جاتا ہے (یا اسے اختیار ملتا ہے) تو زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے کھیتیاں اور جانیں برباد کرتا ہے اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) تقریباً سبھی مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں منافقین کے طرز عمل کا ذکر ہے کہ وہ مسلمانوں کے معاشرے میں کبھی تو عملی طور پر لوگوں کے جان و مال اور ان کی فصلوں کی تباہی کی صورت میں فساد برپا کرتے ہیں' کبھی ماحول کو کشیدہ بنا کر بے امنی اور بدامنی کی فضا پیدا کرتے ہیں۔ سازشیں تیار کرکے مسلمانوں کے لیے آئے دن کوئی نہ کوئی مسئلہ پیدا کئے رکھتے ہیں۔

منافقین کے اس طرز عمل کی مثال آج کے دور میں دشمن کا ایجنٹ بن کر محض چند روپوں کی خاطر ملک میں بم دھماکے کروانا' دہشت گردی کے ذریعے لوگوں کی جانوں سے کھیلنا' مسلم معاشرے کے پر امن شہریوں میں عدم تحفظ کے احساس کے ذریعے خوف و حراس پیدا کرنا 'تنصیبات کو تباہ کرنا وغیرہ ہوسکتے ہیں۔ منافقین کے بارے میں نازل ہونے والی مذکورہ بالا آیات کے پس منظر میں مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہ لوگ مخلص مسلمانوں کو پکڑتے اور انہیں اذیتیں دیتے اور یوں اسلام دشمنی کے جذبات کو ٹھنڈک پہنچانے کی کوشش کرتے۔ ان چرب زبان منافقوں کے بارے مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ اتنے چرب زبان ہیں کہ گویا زبانیں شہد ہیں اسی کے بل بوتے پر وہ دنیا کماتے ہیں حالانکہ انکے دل ایلوے سے بھی زیادہ کڑوے ہیں۔ لوگوں کے لیے بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں حالانکہ ان کے دل بھیڑیوں کی مانند ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۰۶ کے ضمن میں ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس طرح کے اسلام دشمن اور امن دشمن لوگوں کو اللہ تعالیٰ ایسے فتنے میں مبتلا کریں گے کہ بڑے بردبار بھی اس پر حیران رہ جائیں گے۔ گویا مسلمان معاشرے کو دہشت گردی اور خوف و ہراس کا شکار کرنے والے اللہ کے عذاب کی زد میں یقیناً آنے والے ہیں۔

قرآن مجید منافقین کے مفسدانہ رویے کو یوں بیان کرتا ہے وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (۸) یہ بدترین جھگڑالو شخص ہے۔ اَلَدّ کا لفظی معنی ہے سخت ٹیڑھا۔ گویا منافق بہت ٹیڑھے ذہن کا ' سیدھی بات کو چھوڑ دینے والا ' افترا ' بہتان اور گالیاں بکنے والا ' جھوٹا ' حق سے ہٹ جانے والا ہوتا ہے۔(۹)

اَلَدُّ الْخِصَامَ کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اَبْغَضُ الرِّجَالَ اِلَی اللّٰهِ اَلْاَلَدُّ الْخَصِيْمُ (۱۰)

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ شخص وہ ہے جو بڑا جھگڑالو اور لڑاکا ہے۔

منافقین کا طریق کار یہ بھی تھا کہ وہ مسلمانوں کے پاس آتے تو انہیں یقین دلانے کی کوشش کرتے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہاں مسلمانوں کے ساتھ بیٹھتے۔ ان کی آپس کی باتیں نوٹ کرتے۔ پھر یہود کے پاس جاتے اور انہیں مسلمانوں سے سنی ہوئی باتیں بتلاتے۔ یوں جاسوسی کا انداز اپناتے اور کفار کو اس بات کا یقین دلاتے کہ دیکھو ہم کتنے عقل مند ہیں کہ کس ذہانت اور کس چابک دستی سے ہم مسلمانوں کے راز تمہیں بتلاتے ہیں اس طرز عمل سے ان کا مقصد دونوں طرف سے مفادات حاصل کرنا تھا۔ گویا دشمن کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتے ہوئے مسلمانوں کو تکلیف اور نقصان پہنچانا ' منافقانہ اقدام ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اس طرز عمل کی مذمت فرمائی۔ آپ نے ایسا رویہ اختیار کرنے والے شخص کو "ذوالوجھین" دو چہروں والا قرار دیا۔ ارشاد نبوی ہے۔

اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ ذَاالْوَجْهَيْنِ الَّذِیْ يَأْتِیْ هٰؤُلَآءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَآءِ بِوَجْهٍ(۱۰)

لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہے جو دو منہ (چہرے یا دو زبانیں) رکھتا ہے۔ کچھ لوگوں کے پاس وہ چہرے کے ساتھ آتا ہے اور دوسرے کے سامنے دوسرے چہرے کے ساتھ۔ یہ فرمان نبوی الفاظ کے کچھ اختلافات کے ساتھ متعدد مرتبہ آیا ہے۔

دارمی میں روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

بخاری میں الفاظ یہ ہیں۔

تَجِدُ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ اللّٰهِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِیْ يَاتِیْ هٰؤُلَآءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَآءِ بِوَجْهٍ(۱۱)

مَنْ كَانَ ذَالْوَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ (11a)

(جس شخص کی دنیا کے اندر دو زبانیں ہوں اللہ قیامت کے دن اسے آگ کی دو زبانیں دیں گے۔

فسد کرنے والے سے اظہار ناپسندیدگی:

فساد کی مذمت کرتے ہوئے قرآن مجید فساد اور اس فعل کا ارتکاب کرنے والے شخص کے بارے میں سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (12)

"اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا"

اس کے مقابلے میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ واضح اور صاف بات کی جائے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ باطن میں تو کچھ اور عزائم اور مقاصد چھپے ہوئے ہوں اور ظاہری طور پر کسی کو دھوکہ دینے کے لیے۔ ظاہری الفاظ کی آڑ میں کوئی اور بات کی جائے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں ہمیں صدق کا درس ملتا ہے۔ صدق کی کئی صورتیں ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان جو الفاظ اپنی زبان سے نکالے اس کا دل ' ارادہ اور نیت بھی اس کے مطابق ہو۔ جس چیز کی نیت اور ارادہ ہے وہی زبان پر لائی جائے۔ دارمی میں روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اس فعل کا ارتکاب کرنے والے کے بارے میں یوں اظہار ناراضی کیا گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (13)

"اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"

کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنا فساد کا سبب بنتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (14)

"کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا"

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنے مخصوص ذہنی سیاق و سباق کے تحت کوئی طرز عمل اختیار کرتا ہے اور اسے اپنے خیال کے مطابق "اصلاحی کام" گردانتا ہے۔ حالانکہ اس کے اس فعل کے پیچھے فساد کا پروگرام چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس روش پر بھی لوگوں کو باخبر کرتا ہے کہ اللہ اصلاح کی آڑ میں فساد برپا کرنے والوں کے دلی ارادوں کو جانتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (١٥)

اللہ تعالیٰ فسادی شخص اور اصلاح کرنے والے کو الگ الگ جانتے ہیں۔

فساد کی مذمت کا ایک قرآنی انداز یہ بھی ہے کہ فساد برپا کرنے والوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ سورۃ القصص میں فرمایا:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (١٦)

یہ آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے بنایا گیا ہے جو زمین میں سرکشی اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور آخرت کی کامیابی متقی لوگوں کے لیے ہی ہے۔

فساد فی الارض اور زمین میں سرکشی مچانے کی بدترین شکل یہ ہوتی ہے کہ زمین پر اللہ کے حکم کے برعکس طاغوتی اور استحصالی نظاموں کو نافذ کیا جائے اور اللہ کے حکم کی بالادستی کی بجائے استحصالی نظاموں کی حمایت میں سازشیں تیار کی جائیں۔

فتنہ فساد سے منع کرتے ہوئے فرمایا گیا: وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ (١٧)

سورۃ الاعراف میں فرمایا وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (١٨) اور زمین میں امن قائم ہو چکنے کے بعد اس میں فساد نہ مچاؤ۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا الفتنة نائمة لعن اللّٰه من اَيقظهٗ (فتنہ سویا ہوا ہوتا ہے۔ لعنت ہے اس پر جو اسے جگاتا ہے۔) فتنے کو جگانے کا مطلب ہے فتنہ پیدا کرنے کی باتیں جو لوگوں کو بھول چکی ہوں وہ باتیں لوگوں کو یاد دلا کر ان میں اشتعال پیدا کیا جائے۔ یا کسی بات کے وہ پہلو لوگوں کے سامنے اچھالے جائیں جن سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

یہود نے اپنی کتاب کو اختلاف کی نذر کر دیا:

قرآن مجید نے یہ بات واشگاف الفاظ میں بتا دی ہے کہ دین وحدت امت کی بنیاد ہے اگر دین کو اس کی اصل روح کے ساتھ سمجھا جائے تو امت کی وحدت قائم رہتی ہے اور اگر دین میں اختلافات پیدا کر دیئے جائیں تو امت بھی اختلاف کا شکار ہو جاتی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں کدورتیں اور بغض و عداوت بھر جاتا ہے سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ میں فرمایا کہ:

اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ

"دین پر قائم رہنا اور اس میں اختلافات و تفرقہ پیدا نہ کرنا"

اس سے اگلی ہی آیت میں فرمایا کہ

وَمَا تَفَرَّقُوْا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ

انہوں نے علم کے آجانے کے بعد محض از راہ سرکشی اور ضد بازی آپس میں تفرقہ پیدا کیا۔ گویا جن لوگوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور اختلافات پیدا کئے' انہوں نے ایسا از راہ سرکشی و بغاوت کیا ورنہ دین تو بالکل واضح اور غیر مبہم تھا۔ اس کے ساتھ ہی سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۱۲ اور ۱۳ میں اہل کتاب کے باہم اختلافات کا شکار ہو جانے کا سبب یہ قرار دیا ہے کہ انہوں نے دین پر عمل چھوڑ دیا اور دین کی من مانی تشریحات شروع کر دیں۔ ہر شخص نے اپنی مرضی کے مطابق دین کی تشریحات کرلیں۔ صورت حال یوں بن گئی کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ جتنے منہ تھے اتنی ہی تشریحات سامنے آگئیں۔ ہر تشریح دوسری تشریح سے مختلف تھی۔ اس طرح لوگوں نے اصل دین کی بجائے ان تشریحات کو اپنی توجہات کا مرکز بنا لیا۔ اہل کتاب گروہوں میں بٹ گئے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا:

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ
فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (۲۰)

اور جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا۔ وہ اس میں سے بڑا حصہ بھلا بیٹھے جو ہم نے انہیں نصیحت کی تھی تو ہم نے قیامت تک ان کے درمیان بغض و عداوت ڈال دی

قرآن مجید ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْئٍ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ (۲۱)

جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈال دیا اور گروہ در گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ پس ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

سورۃ آل عمران میں گروہوں میں بٹ جانے سے منع فرمایا گیا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (۲۲)

تم ان لوگوں کی مانند نہ بن جاؤ جنہوں نے تفرقہ بازی اختیار کرلی اور اختلافات کا شکار ہوگئے۔ اس کے بعد کہ ان کے پاس ہمارے واضح دلائل اور روشن نشانیاں آگئیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ کے واضح احکام آچکنے کے بعد جو شخص 'گروہ' جماعت یا فرقہ' دین کو اختلاف کا شکار بناتا ہے یا کوئی قوم اللہ کے دین کے بارے میں اختلافات کا شکار ہو جاتی ہے اس کے لیے اللہ نے بہت بڑا عذاب مقرر کر رکھا ہے۔ اس عذاب کا مطلب صرف یہی نہیں کہ مرنے کے بعد اس قوم کو عذاب دیا جائے گا بلکہ عین ممکن ہے کہ دنیا میں بھی انہیں سزا کا سامنا کرنا پڑے۔ ہوا کا اکھڑ جانا' دشمن کی نگاہ میں ہیچ ہو جانا' معاشی بدحالی' معاشرتی عدم استحکام اور سیاسی بدنظمی اس عذاب کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں۔

عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگوں نے مختلف مقاصد کے تحت دین کی تشریحات کی آڑ میں اختلافات پیدا کئے ہیں یہ اختلافات بڑھتے جاتے ہیں اور متحارب گروہوں کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس رجحان کی پیش بندی فرمادی تھی کہ لوگ قرآن کو وجہ نزاع بنا ڈالیں گے۔ قرآن مجید نے بھی اہل کتاب کی مثال دے کر ہمیں بتلا دیا تھا کہ گزشتہ قوموں کی تباہی و گمراہی کا ایک سبب یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کی کتاب میں اختلافات پیدا کردے۔

دین میں غور و فکر کرنے کی ترغیب قرآن و حدیث میں دی گئی ہے۔ لیکن قرآن مجید کی آیات کو خواہ مخواہ وجہ نزاع بنانے کی ممانعت اور مذمت شدید الفاظ میں کی گئی ہے۔ مسند

احمد اور ابن ماجہ میں روایت ہے عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سنا کہ کچھ لوگ قرآن کریم میں اس طرح بحث کر رہے ہیں کہ ایک شخص ایک آیت پڑھتا ہے۔ دوسرا اس کے مقابلے میں دوسری آیت پڑھتا ہے جو اس کے خیال میں پہلی آیت کے مضمون کے مخالف مضمون پر مشتمل ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا کہ اسی حرکت کی وجہ سے تم سے پہلی امتیں گمراہ ہوئیں اور ہلاک ہوئیں وہ بھی ایسا ہی کیا کرتی تھیں کہ اللہ کی کتاب کے بعض حصوں کو دوسرے حصے سے ٹکرایا کرتی تھیں۔ حالانکہ اللہ کی کتاب باہم ایک دوسرے حصے کی تصدیق کرنے والی ہو کر نازل ہوئی ہے۔ اس لیے تم اس میں اختلاف کرکے اس کی تکذیب نہ کرو۔ اس کا جو حصہ تم سمجھ لو وہ تو بیان کر دو جو حصہ سمجھ نہ آئے اسے اس کے حوالے کر دو جو اسے جاننے والا ہے۔(۲۳)

دارمی کی ایک روایت میں حضرت ابوالدرداء سے مروی ہے کہ جو چیزیں اسلام کو فنا کر دینے والی ہیں ان میں ایک بات منافق کا قرآن میں جھگڑا ڈالنا بھی ہے"(۲۴) امام احمد بن حنبل' امام ابوداؤد اورامام حاکم حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ "المراء فی القران کفر"(۲۵) "قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے"

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ "اختلاف رائے" کی اجازت اور گنجائش سے فائدہ اٹھا کر اللہ کی کتاب سے دلائل تلاش کرکے گروہی نقطہ ہائے نگاہ کو تقویت دینے کی کوشش کرنا اور اسی بنیاد پر لوگوں کو گروہوں میں تقسیم کرنا' نبی کریم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں قابل مذمت فعل ہے۔ قرآن مجید کے پوشیدہ اَسرار میں غواصی اور چیز ہے اور مخصوص نقطہ نگاہ کی تائید کے لیے قرآنی آیات کو کھینچ کھینچ کر استعمال کرنا بالکل مختلف چیز ہے۔

دین کے مسائل اور ان کی توضیح و توجیہہ میں اختلاف رائے کی گنجائش تو ہو سکتی ہے لیکن ان توضیحات کو لوگوں کے درمیان نزاع اور جھگڑے کا سبب بنا دینا کسی صورت بھی روا نہیں ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۵ سورۃ المائدہ کی آیات نمبر ۱۴ اور الشوریٰ کی آیات نمبر ۱۴ (جن کا ذکر کیا گیا ہے) یہ بات واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ دین بالکل واضح اور غیر مبہم ہے۔ اس کی تعبیر و تشریح میں لوگوں کو گروہوں میں بانٹنا اور پھر انہیں تشدد پر اکسانا کسی بھی صورت میں شریعت کی روح سے مطابقت نہیں رکھتا۔

انتشار سے بچنے اور التزام جماعت کا حکم:

نبی کریم ﷺ نے لڑائی سے بچنے کا حکم دیا۔ جو شخص لڑائی جھگڑے سے بچتا ہے آپؐ نے اس کی تعریف اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ ابوداؤد شریف میں فی کَرَاھِیَۃِ المِرَاء یعنی لڑائی جھگڑے کی ناپسندیدگی کے عنوان کے تحت یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ نبی ﷺ جب کسی عامل کو کسی جگہ تعینات فرماتے تو اسے ہدایت دی جاتی کہ بشروا ولا تنفروا یسرو ولا تعسروا خوشخبری دینا۔ نفرت پیدا نہ کرنا۔ آسانیاں پیدا کرنا مشکلات اور دقتیں پیدا نہ کرنا۔ اس حدیث کو اس عنوان کے تحت بیان کرنے کا مقصد یہ لگتا ہے کہ ایسی فضا پیدا کرنا جس میں لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑا نہ ہو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے لئے سہولتیں پیدا کرنے والے (Accomodating) ہوں جھگڑالو نہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپؐ نے کبھی کسی سے جھگڑا نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهُ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِهَا وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي اَعْلَاهَا۔

جس نے باطل چیز (جس پر اس کا حق نہیں تھا) کے لئے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا اللہ اس کے لئے جنت کے کنارے پر محل تیار کریں گے جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے سے اجتناب کیا تو اللہ جنت کے وسط میں اس کے لئے محل تیار کرتے ہیں اور جس نے (نہ صرف جھگڑا کرنے سے اجتناب کیا بلکہ) حسن خلق کا مظاہرہ کیا تو اللہ اس کے لئے جنت کے اعلیٰ درجے میں محل تیار کرتے ہیں۔

ابوداؤد میں روایت ہے حضرت سائب کہتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگ میرا ذکر اور تعریف کرنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہاری نسبت اس سے زیادہ واقف ہوں۔ میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ سچ فرماتے ہیں۔ آپؐ میرے شریک تھے۔ پھر آپ کتنے اچھے شریک تھے۔ نہ آپ لڑائی کرتے نہ جھگڑا کرتے۔(۲۶)

كَفٰى بِكَ اِثْمًا اَنْ لَّا تَزَالَ مُخَاصِمًا۔

تمہارے گناہ گار ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ تو جھگڑالو بن جائے۔

ایک اور مقام پر ارشاد گرامی ہے۔

لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ۔

نہ اپنے بھائی سے جھگڑا کر نہ اس سے مزاح کر (جس سے جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے) نہ اس سے وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کر (۲۷)

نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ لوگ اتحاد کی بجائے تفرقے میں پڑ جائیں۔ ظاہر ہے جب لوگ گروہوں میں بٹ جائیں تو فتنہ فساد ہی برپا ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا

مَنْ شَذَّ شُذَّ اِلَی النَّارِ (۲۸)

جو شخص جماعت سے الگ ہوا اللہ تعالیٰ اسے آگ کی طرف دھکیل دیتے ہیں۔

بخاری اور مسلم شریف میں حدیث نبوی منقول ہے آپؐ نے فرمایا:

مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْراً مَاتَ مَیْتَةً جَاهِلِیَّةً

جو کوئی سلطان کی اطاعت سے بالشت بھر دور ہوا اور اس حال میں اس کی موت واقع ہوئی تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔ بخاری شریف ہی کی ایک اور روایت ہے۔

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةِ شِبْراً فَمَاتَ اِلاَّ مَاتَ مَیْتَةً جَاهِلِیَّةً۔(۲۹)

"جو جماعت سے بالشت بھر دور ہوا وہ صرف جاہلیت کی موت مرا۔"(۳۰)

مسلم شریف میں روایت ہے

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةِ شِبْراً فَمَاتَ فَمَیْتَةُ جَاهِلِیَّةَ (۳۰)

جو شخص جماعت سے بالشت بھر دور ہوا اور مرگیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے

مسلم شریف میں روایت ہے آپؐ نے فرمایا:

"جو شخص کسی دلیل کے بغیر اطاعت امیر سے ہاتھ کھینچ لے اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔"

مسلم شریف میں فرمان نبوی ہے:

"مَنْ اَتَاكُمْ وَاَمْرُكُمْ جَمِیْعٌ عَلٰی رَجَلٍ وَّاحِدٍ یُرِیْدَ اَنْ یَشُقَّ عَصَاكُمْ اَوْ یُفْرِقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوْهُ (۳۱)

کوئی شخص تمہارے پاس آئے اور تم اپنے معاملے میں ایک شخص پر متفق ہو۔ تم میں پھوٹ ڈالنا چاہے تمہاری اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنا چاہے تو اسے قتل کر دو۔

آپ نے فرمایا:

اَنَّهٗ سَتَكُوْنُ هُنَاتٌ وَهُنَاتٌ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يُفَرِّقَ اَمْرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهِيَ جَمِيْعٌ فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَّنْ كَانَ (۳۲)

قریب ہے فتنے برپا ہوں پھر کوئی امت کے اتحاد و اتفاق کو بگاڑنے کی کوشش کرے تو اسے تلوار سے قتل کر ڈالو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

بدامنی اور فتنے کے زمانے میں نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہی تلقین فرمائی ہے کہ ہم اتحاد و یگانگت اور نظم و ضبط کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے اپنے بعد آنے والے فتنوں کا ذکر فرمایا تو میں نے پوچھا کہ اگر میں اس زمانے میں موجود ہوں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا:

تَلْزِمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِمَامُهُمْ

مسلمانوں کی جماعت سے منسلک رہنا اور ان کے امام سے تعلق قائم رکھنا)

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں میں نے پوچھا اگر مسلمانوں کی جماعت اور ان کا امام موجود نہ ہوں تو پھر کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا تو پھر سب فرقوں کو چھوڑ دے اور اگرچہ ایک درخت کی جڑ چباتے چباتے تو مرجائے۔(۳۳)

آپ کے بیان کا مقصود و مدعا یہ ہے کہ مرتے دم تک مسلمانوں کی جماعت کا ساتھ دینا اور امام کی اطاعت کرتے رہنا۔ کیونکہ اس سے طوائف الملوکی' بدنظمی اور انتشار پیدا ہوتا ہے جس سے مملکت کمزور یا مکمل طور پر ختم ہو جاتی ہے۔ دیگر روایات موجود ہیں جن میں آپؐ نے فرمایا کہ امیر کی اطاعت ہر حالت میں جاری رکھی جائے۔ فتنے فساد کے حالات میں نبی کریم ﷺ نے ایسا طرز عمل اختیار کرنے کی تلقین فرمائی جس میں فرد کا نقصان کم سے کم ہوتا ہے۔ فرد اگر جماعت سے کٹ جائے تو اس میں اس کا نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ آپؐ نے افراد کو فرداً فرداً بکھر جانے کی کسی صورت میں اجازت نہیں دی بلکہ اپنے آپ کو نظم میں پروئے رکھنے کا حکم دیا۔ تقریباً تمام کتب حدیث میں مسلمانوں کو اس بات کا پابند بنایا گیا ہے کہ وہ ریاست کے اقتدارِ اعلیٰ کے استحکام کے لیے امن و سکون سے رہیں۔ ان کا رویہ اطاعت شعاری ہونا چاہیے نہ کہ شرپسندی۔ انہیں جائز حدود کے اندر جو احکام دیئے جائیں وہ ان کی پابندی کریں تاکہ مملکت کا استحکام متاثر نہ ہونے پائے۔ انہیں امیر مملکت کی ہر ممکن حد تک اطاعت کرنی

چاہیے۔ اتحاد کو چھوڑ کر انتشار کی فضا پیدا کرنے والوں کی موت کو جاہلیت کی موت مرنا قرار دیا گیا۔ جاہلیت کی موت مرنے کے کئی ایک معانی ہیں۔ مثلاً یہ جہالت کی بات ہے کہ کوئی شخص جماعت کو چھوڑ کر تنہا ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالے۔ دوسرے یہ کہ یہ دورِ جاہلیت کے طرزِ عمل سے مشابہت ہے کہ جماعت کو چھوڑ کر تنہا پرواز کرنے لگے۔ اسلام نے تو ہمیں وحدت کا سبق دیا لیکن یہ پھر بھی جاہلیت کی روش اختیار کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے واشگاف الفاظ میں ہمیں متنبہ فرمایا کہ میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں نہ کاٹنے لگ جانا۔ فرمایا:

لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا يَّضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (۳۶)

میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔ دوسری جگہ فرمایا: فَلَا تَقْتُلَنَّ بَعْدِیْ میرے بعد آپس میں لڑنے مارنے نہ لگ جانا۔(۳۷) آپؐ نے فرمایا۔ جو شخص کسی مومن کو ستاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اوندھے منہ جہنم میں ڈالیں گے۔(۳۸) آپؐ نے فتنے فساد کے دور کی نشاندہی فرمائی اور اس دور میں ایک مسلمان کے طرز عمل کے بارے میں راہنمائی بھی فرمائی۔ آپؐ نے فرمایا:

مَامِنْ مُسْلِمِيْنَ الْتَقِيَا بِاَسْيَافِهَا اِلَّا كَانَ الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ (۳۹)

جب دو مسلمان آپس میں تلوار سے کر لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔

آپؐ نے مقتول کے جہنمی ہونے کا سبب یہ بیان فرمایا کہ وہ بھی تو دوسرے کو قتل کرنے کے لیے تلوار لے کر نکلا تھا۔ اگر اس کا داؤ چلتا تو یہ اسے قتل کر دیتا اب دوسرے کا داؤ چل گیا۔

نبی کریم ﷺ نے فتنے اور بدامنی کے ماحول میں خصوصی طور پر ہدایات دی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ فتنے فساد کے ماحول میں اپنی زبان کو خاص طور پر قابو میں رکھا جائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ فتنے فساد کے ماحول میں زبان سے کوئی بری بات کہنا تلوار چلانے سے بھی زیادہ سخت اور برا کام ہے۔ فرمایا:

اِیَّاکُمْ وَالفِتَن فَاِنَّ اللِّسَانَ فِیْهَا مِثْلُ وَقعِ السَّیفِ (۴۰)

فتنوں سے بچو کیونکہ اس صورت حال میں زبان تلوار سے بھی زیادہ بد تر کردار ادا کرتی ہے۔

آپ نے فرمایا:

مَنْ کَانَ یُؤمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْلَیَسْکُتْ (۴۱)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ خیر کی بات کہے یا پھر خاموشی اختیار کرے)

فتنوں سے دور رکھنے کے لیے آپؐ نے فرمایا گونگے اور بہرے فتنے پیدا ہوں گے جو ان کی طرف دیکھے گا وہ فتنے اسے اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ اس فتنے کے دور میں زبان کھولنا تلوار مارنے کی مانند ہوگا۔(۴۲) آپؐ نے فرمایا "جب مسلمانوں کے اندر فتنہ فساد پیدا ہو جائے اور اس بات کی وضاحت نہ ہو رہی ہو کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون' تو ان سب سے کنارہ کشی اختیار کرلو۔

آپ نے فرمایا:

اَلْقَاعِدُ فِیْهَا خَیْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِیْهَا خَیْرٌ مِّنَ الْمَاشِیْ وَالْمَاشِیْ فِیْهَا خَیْرٌ مِّنَ السَّاعِیْ فَکَسِّرُوا قِسِیَّکُمْ وَقَطِّعُوْا اَوْ تَارَکُمْ وَاضْرِبُوْا بِسُیُوفِکُمُ الْحِجَارَةَ فَاِنْ دُخِلَ عَلٰی اَحَدِکُمْ فَلْیَکُنْ کَخَیْرَابْنَیْ اٰدَمَ (۴۳)

فتنے کے زمانے میں جو شخص بیٹھا ہے وہ کھڑے ہوئے شخص سے بہتر ہے اور کھڑا ہوا شخص اس شخص سے بہتر ہے جو چل رہا ہے اور جو چل رہا ہے وہ بہتر ہے اس سے جو دوڑ رہا ہو۔ ان فتنوں میں اپنی کمانیں توڑ ڈالو۔ کمانوں کے چلّے کاٹ ڈالو اور اپنی تلواریں پتھر پر مار کر کند کر دو۔ اگر کوئی فتنہ باز کسی کے گھر میں گھس آئے کہ اسے قتل کرے تو وہ ایسا ہی کرے جیسا آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے اس نے کیا تھا جو بہتر تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

جب مسلمانوں میں فتنہ پیدا ہو جائے تو چاہیے کہ لکڑی کی ایک تلوار بنالے۔(۴۴)

ان تمام فرامین کا مفہوم و مقصود یہی ہے کہ ان فتنوں میں شریک نہ ہوا جائے اگر کوئی زیادتی کر بھی جائے تو محض امن و امان کی خاطر اس کی زیادتی کو برداشت کرلو۔ آپؐ نے فرمایا عنقریب ایک فتنہ پیدا ہوگا اور مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوگا جب یہ زمانہ آئے تو تو اپنی تلوار لے کر احد پہاڑ پر چلا جا اور تلوار کو اس پر مار یہاں تک کہ یہ ٹوٹ جائے۔(۴۵) اس حدیث مبارکہ کا معنی بھی یہی ہے کہ اس اختلاف میں کسی ایک گروہ کا ساتھ دینے کی بجائے اپنے آپ کو الگ تھلگ کرلے۔ اختلاف اور فتنے کے زمانے میں کسی ایک گروہ کے ساتھ شریک ہو کر فتنے کو مزید ہوا دینے کی بجائے آپؐ نے فرمایا:

تَکُوْنُ فِتْنَۃٌ عَلٰی اَبْوَابِھَا دَعَاۃٌ اِلَی النَّارِ فَاِنْ تَمُوْتَ وَاَنْتَ عَاضٍ عَلٰی جِذْلِ شَجَرَۃٍ خَیْرٌ لَّکَ مِنْ اَنْ تَتَّبِعَ اَحَدًا مِنْھُمْ(۴۶)

ان کے دروازوں پر فتنے پیدا ہوں گے دوزخ کے طرف بلانے والے ہوں گے۔ پھر اگر تو درخت کی جڑ کو چباتا ہوا مرجائے تو یہ تیرے لیے بہتر ہے اس سے کہ تو ان بلانے والوں میں سے کسی ایک کی پیروی کرے۔

فتنے فساد سے الگ تھلگ رہنے کے حوالے سے آپؐ نے فرمایا:

خوش نصیب ہے وہ شخص جو فتنوں سے دور رکھا گیا۔ آپؐ نے یہ الفاظ تین مرتبہ دھرائے فرمایا خوش نصیب ہے وہ شخص جو فتنوں میں مبتلا ہوا اور صبر کیا اور افسوس ہے اس شخص پر جو فتنے سے دور نہ ہوا اور صبر نہ کیا۔"(۴۷)

آپؐ نے فرمایا "فتنوں سے بچنے کی خاطر اپنی چند بکریاں لے کر کسی الگ تھلگ جگہ پر چلے جانا فتنوں میں ملوث ہونے سے بہتر ہے۔(۴۷a)

پوری دنیا اس وقت مختلف عصبیتوں سے زہر آلود ہو چکی ہے۔ لوگ رنگ و نسل مذہب اور زبان کی عصبیتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان تمام عصبیتوں کا بڑی شدت سے خاتمہ فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّۃٍ وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلٰی عَصَبِیَّۃٍ وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ مَّاتَ عَلٰی الْعَصَبِیَّۃِ(۴۸)

وہ ہم میں سے نہیں جس نے دوسروں کو کسی عصبیت کی طرف دعوت دی۔ وہ ہم

میں سے نہیں جس نے دوسروں کے ساتھ عصبیت کی بنیاد پر لڑائی کی اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر مارا گیا۔

آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عَبِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرُهَا بِالْاٰبَآءِ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ اَنْتُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَاب لَيَدَعَنَّ رِجَالٌ فَخْرُهُمْ بِاَقْوَامٍ اِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ فَحْمِ جَهَنَّمَ اَوْ لَيَكُوْنُنَّ اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجِعْلَانِ الَّتِىْ تَدْفَعُ بِاَنْفِهَا النَّتَنَ(۴۹)

بے شک اللہ عزوجل نے جاہلیت کا عیب اور اپنے آباء پر فخر کرنا تم سے دور کر دیا ہے یعنی تمہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ انسان دو ہی طرح کے ہیں۔ متقی مومن اور دوسرا بدکردار سخت دل والا۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔

اس کے مقابلے میں قرآن مجید نے ہمیں یہ تصور دیا کہ سب مسلمان آپس میں برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی برتری نہیں کہ دوسروں سے اپنے آپ کو برتر سمجھ کر انہیں ادنیٰ انسان سمجھنے لگے آپ نے فرمایا جو شخص عصبیت کے اندھے پن میں غضب ناک ہوتا ہے تو اس کا یہ غضبناک ہونا اور لڑنا جاہلیت کا لڑنا ہے۔(۵۰) آپؐ نے فرمایا" عصبیت جاہلیہ یہ ہے کہ ظلم و زیادتی کے کاموں میں بھی اپنی قوم کی حمایت کرے۔(۵۱) آپؐ نے فرمایا اپنی قوم کی محبت مذموم و ناپسندیدہ چیز نہیں۔ ناپسندیدہ چیز یہ ہے کہ گناہ کے کاموں میں بھی اپنی قوم کا ساتھ دے'(۵۲)

آپؐ نے فرمایا۔

مَنْ قُتِلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِّيَّةٍ يَدْعُوْا عَصَبِيَّةً اَوْ يَنْصُرُ عَصَبِيَّةً فَقِتْلَهٗ جَاهِلِيَّةٌ جو قتل کیا گیا اندھے تعصب کے تحت یا وہ بلاتا ہے عصبیت کی طرف یا عصبیت کے تحت کسی کی مدد کرتا ہے۔ تو اس کا قتل کیا جانا جاہلیت کا قتل ہے۔

مسلم شریف میں روایت ہے

وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِيَةَ يَغْضَبُ لِعَصَبِيَّةٍ اَوْ يَدْعُوْا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ اَوْ يَنْصُرُ عَصَبِيَّةً فَقُتِلَ فَقِتْلَهٗ جَاهِلِيَّةٌ(۵۴)

جو شخص اندھے تعصب کے تحت جنگ کرتا ہے، تعصب کے تحت غضب میں آتا ہے، دوسروں کو عصبیت کے نعرے کے تحت بلاتا ہے یا عصبیت کے تحت کسی کی مدد کرتا ہے اور مارا جاتا ہے تو اس کا یہ قتل جاہلیت کی موت ہے۔

سراقہ بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی قوم کی جانب سے ظلم کی مدافعت کرے جب تک وہ گناہ کا مرتکب نہ ہو۔(۵۵) گویا نبی کریم ﷺ نے قوم کا ساتھ دینے کی حدیں بھی بیان فرما دیں کہ قوم کی مدد صرف اس حد تک ہو کہ قوم کا موقف حق و انصاف پر مبنی ہو۔ جتھے بندی، گروہی سیاست اور پریشر گروپ تشکیل دے کر ذاتی گروہی اور سیاسی مفادات حاصل کرنے کی خاطر دوسروں کی مدد کرنا اور مفاد پرست گروہ قائم کرنا، یہ سب کچھ اس حدیث کی زد میں آتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جو شخص ناحق طور پر اپنی قوم کی حمایت کرے وہ اُس اونٹ کی مانند ہے جو کنویں میں گر پڑے اور اسے دم سے پکڑ کر باہر نکالا جائے۔(۵۶)

حضرت جابر سے روایت ہے دو لڑکے لڑ پڑے۔ ان میں سے ایک مہاجر تھا۔ دوسرا انصاری۔ مہاجر نے اپنے مہاجر اور انصاری نے اپنے انصاری ساتھی کی مدد کے لیے پکارا۔ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا:

مَاهٰذَا دَعْوٰی اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ (۵۷)

یہ کیا ہے جاہلیت کے انداز سے مدد کے لیے پکارنا؟

لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ کوئی بڑا مقدمہ نہیں بلکہ دو لڑکے باہم لڑ پڑے ایک نے دوسرے کو سرین پر مارا ہے۔ پھر آپؐ کو اطمینان ہوا اور فرمایا کچھ ڈر نہیں۔(۵۷)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوے میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کی سرین پر مارا۔ انصاری نے انصاریوں کو اور مہاجر نے مہاجرین کو بلایا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ تو جاہلیت کا پکارنا ہے۔" صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو معمولی سی بات ہے۔ آپؐ نے فرمایا چھوڑو یہ تو ایک گندی (ناپسندیدہ) بات ہے۔"(۵۸)

نبی کریم ﷺ اپنے فہم و فراست کی بنیاد پر اس بات سے آگاہ تھے کہ اگر پرانے قبائلی

تعصبات نے دوبارہ سر اٹھالیا تو ان تعصبات کو دبایا نہیں جاسکے گا۔ اس لیے آپؐ نے بڑی سختی کے ساتھ تعصبات کا استیصال فرما دیا۔ آپؐ کے یہ خدشات بدقسمتی سے بالآخر نمودار ہوگئے۔ اور وہی ہوا جس کے خدشات موجود تھے۔ آپ کی وفات کے ساتھ ہی مدعیان نبوت نے بھی قبائلی تعصبات کی بنیاد پر ہی دعویٰ نبوت کیا۔ حضرت علیؓ کو اسی عصبیت کی بنا پر اکسانے کی کوشش کی گئی لیکن آپؓ کا فرمان تمام تعصبات کی جڑ کاٹنے والا ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں خواہ وہ علاقائی طور پر کتنے ہی فاصلے پر ہوں۔(۵۹)

ان تمام احادیث کی روشنی میں دیکھا جاسکتا ہے کہ آپؐ نے تمام عصبیتوں کا استیصال فرما دیا ہے۔ سیاسی مفادات اور جتھے بندی کی خاطر لسانی ' علاقائی اور نسلی تعصب کو اچھالا جاتا ہے۔ عصبیت کی طرف بلانا ایک تو یہ ہے کہ زبان یا نسل میں ہم آہنگی رکھنے والوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا جائے۔ اس کی دوسری شکل یہ ہے کہ کسی ایک زبان یا نسل سے تعلق رکھنے والوں کو یہ تاثر دے کر اکٹھا کیا جائے کہ دوسرے تمہارا استحصال کر رہے ہیں۔ تم اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے ہمارے پلیٹ فارم پر متحد ہو جاؤ۔ اسی ذہنیت سے سرشار ہو کر ایک نسل یا زبان کے لوگ باہم متحد ہو کر ایک دوسرے کی مدد کے لیے کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کی جتھہ بندی کا اصل مقصد یہ بنا دیا جاتا ہے کہ دوسرے تمہارے حقوق کو پامال کرنے والے ہیں۔ اس طرح اکثر اوقات سیاسی مقاصد کے تحت عوام کو مختلف متحارب گروہوں کی شکل دے دی جاتی ہے۔

ان تعلیمات کی روشنی میں پاکستان کے آئین میں یہ بات شامل کر دی جائے اور پھر اس کے مطابق قوانین تشکیل دئے جائیں کہ کسی بھی مذہبی ' سیاسی جماعت اور گروہ کو اس بات کی اجازت نہ ہو کہ گروہی بنیادوں پر کوئی تحریر اور لٹریچر طبع کروائے۔ اس سلسلے میں حکومت ایک مخصوص شعبہ تشکیل دے کر یہ ذمہ داری اس کے سپرد کردے کہ وہ کسی بھی طرح کی عصبیت اور گروہ بندی کا مواد منظر عام پر نہ آنے دے۔ موجودہ سنسر شپ کے نظام کا دائرہ وسیع کیا جاسکتا ہے۔ کوئی گروہی تحریر چھپوانے پر پابندی لگا دی جائے اشتعال پیدا کرنے والے مواد کو چھاپنے والے پریس کو پابند کر دیا جائے کہ قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں شدید سزا دی جاسکتی ہے۔ اس طرح کا مواد تقسیم کرنے والے ' لکھنے والے اور اس کام میں کسی بھی طرح کی

معاونت کرنے والے کو سزا کا مستوجب قرار دیا جائے۔

اس سلسلے میں حکومت ذرائع ابلاغ' مذہبی علماء اور اساتذہ کرام کے ذریعے رواداری اور دوسروں کے احترام کے لیے خصوصی تحریر چلائے اور لوگوں میں شعور بیدار کیا جائے کہ وہ کسی طرح کا اشتعال پھیلانے والے کو ایسا کرنے کی اجازت ہی نہ دیں۔

اسلام بدامنی اور فتنے فساد کو ناپسند کرتا ہے۔ وہ کسی ایسی حرکت اور فعل کو روا نہیں رکھتا جو بدامنی پر منتج ہو۔ عربوں کی عادت تھی کہ جب جنگ کے لیے نکلتے تو راستے میں لوگوں کو تنگ کرتے۔ بدامنی پھیلاتے۔ شور و ہنگامہ کرتے۔ لوگوں کے لیے راستہ چلنا مشکل ہو جاتا۔ آپ کے پاس اس کی شکایت پہنچی۔ اس پر آپؐ نے اعلان فرما دیا۔

مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلاً اَوْ قَطَعَ طَرِيْقًا فَلاَ جِهَادَلَهٗ (٦٠)

جس نے راستے کو تنگ کیا یا راہگیروں کو تنگ کیا اس کا جہاد نہیں ہو گا۔

آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ تَفَرَّقَكُمْ هٰذِهِ الشِّعَابِ الْاَوْدِيَةِ اِنَّمَا ذَالِكُمْ الشَّيْطٰنِ (٦١)

تمہارا اس طرح وادیوں اور گھاٹیوں میں بے ترتیب پھیل جانا شیطانی فعل ہے۔

ابو ثعلبہ خشنی کا بیان ہے کہ اس کے بعد کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ جب کبھی اسلامی فوج کسی جگہ اترتی تو اس کا گنجان پڑاؤ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر ایک چادر تان دی جائے تو سب اس کے نیچے سما جائیں گے۔(٦٢)

اسی طرح جنگ کے سفر کے دوران شور و ہنگامہ بپا ہوتا۔ اس کا نام ہی دغی پڑ گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس طریق کار میں بھی اصلاح فرمائی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے جب کسی وادی میں پہنچتے تو زور شور سے تکبیر و تحلیل کے نعرے بلند کرتے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ لوگو! وقار کے ساتھ چلو تم جس ہستی کو پکار رہے ہو وہ نہ بہرا ہے نہ غائب۔ وہ تو تمہارے ساتھ ہے وہ سب سنتا ہے اور بہت قریب ہے۔(٦٣) دلائل و شواہد کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام وہ واحد دین ہے جس نے حالت امن تو درکنار حالت جنگ میں بھی لوگوں کو تہذیب و شائستگی سکھائی۔ نبی کریم ﷺ مجاہدین کو جو ہدایات دیا کرتے تھے ان میں نمایاں ہدایات یہ ہوتیں۔

(۱) عورتیں بچے اور بوڑھے قتل نہ کئے جائیں۔

(۲) لاشوں کا مثلہ نہ کیا جائے۔

(۳) دیگر مذاہب کی نہ تو عبادت گاہیں تباہ کی جائیں نہ ان کے مذہبی پیشواؤں کو قتل یا تنگ کیا جائے۔

(۴) آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔ جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔ فصلیں تباہ نہ کی جائیں۔ پھل دار درخت نہ کاٹے جائیں۔

(۵) اگر دشمن سے کوئی عہد باندھا جائے تو اس وقت تک اس عہد کی خلاف ورزی نہ کی جائے جب تک دشمن خود اسے توڑنے کا اعلان نہ کر دے۔ لوگ اگر اطاعت کرلیں تو ان پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔(۶۴)

دنیا کو شائستگی اور تہذیب سکھانے میں ان اصلاحات نے بڑا مؤثر کردار ادا کیا ان تعلیمات سے لوگوں کے ذہن اس انداز سے ڈھل گئے کہ وہ معمول کی زندگی میں بھی تہذیب و شائستگی کا دامن نہیں چھوڑتے تھے۔

جنگ خیبر کے بعد کچھ لوگ بے قابو ہوگئے۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے شکایت کی گئی اس پر آپؐ نے مجاہدین کو جمع کیا اور فرمایا اللہ نے یہ جائز نہیں کیا کہ اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت گھس جاؤ یا ان کی عورتوں کو مارو پیٹو۔ اور ان کے پھل کھا جاؤ۔ حالانکہ ان پر جو کچھ واجب تھا وہ تمہیں ادا کر چکے ہیں۔(۶۵) ایک موقع پر لوگوں نے بکریاں پکڑیں اور پکا ڈالیں۔ آپؐ نے ان کی دیگچیاں الٹ دیں اور فرمایا کہ لوٹ کھسوٹ کا مال کھانا مردار کھانے سے بہتر نہیں ہے۔(۶۶)

مسلم شریف میں روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ خَرَجَ مِنْ اُمَّتِيْ عَلٰى اُمَّتِيْ يَضْرِبُ بِرَّهَا وَفَاجِرِهَا لَايَتَحَاشٰى مَنْ هُوَ مِنْهَا وَلَا يَفِي الَّذِيْ عَهْدَهَا فَلَيْسَ مِنِّيْ(۶۷)

جو شخص میری امت پر نکلے اس حال میں کہ وہ مارتا ہو بلا تمیز نیکوں اور بدوں کو اور مومن کو بھی نہ چھوڑے اور جس سے اس کا (امن کے ساتھ رہنے کا) عہد ہو اسے بھی پورا نہ کرے تو وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

ایک دوسری روایت میں ایسا کرنے والے کے بارے میں فرمایا: فَلَيْسَ مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُ یعنی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور میں اس سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔(۶۸)

بخاری اور مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يُشِيْرُ أَحَدُكُمْ اِلٰى اَخِيْهِ بِالسِلَاحِ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِیْ اَحَدُكُمْ لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِيْ يَدِهٖ فَيَقَعُ فِيْ حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (۶۹)

"تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو ہتھیار سے نہ دھمکائے ہو سکتا ہے کہ شیطان اس کے ہاتھ کو ڈگمگادے۔ ہاتھ ہلجائے" پھر وہ جہنم کے گڑھے میں گر جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مسلم شریف میں روایت ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَشَارَ اِلٰى اَخِيْهِ بِحَدِيْدَةٍ فَاِنَّ الْمَلَآئِكَةَ تَلْعَنُهٗ حَتّٰى يَدْعَهٗ وَاِنْ كَانَ اَخَاهُ لِاَ بِيْهِ وَاُمِّهٖ (۷۰)

ترمذی شریف میں یہ روایت دو احادیث کا مجموعہ ہے اور فرق اس قدر ہے کہ مَنْ اَشَارَ اِلٰى کی بجائے عَلٰى اَخِيْهِ کا لفظ ہے۔ "جس نے اپنے بھائی کی طرف لوہے کی کسی چیز سے اشارہ کیا تو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ یہ کام ختم کردے اور اگرچہ اس کا حقیقی بھائی ہو۔"

ترمذی شریف میں اس مضمون کی دو روایات اور ہیں۔ ابی بکرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفِهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ (۷۲)

جب دو مسلمان اپنی تلوار کے ساتھ ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے (اور ایک نے دوسرے کو قتل کردیا) تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔

اس میں صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم اس وقت عائد ہوگا جب وہ کسی دنیوی غرض اور مفاد کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے کے مدمقابل ہوں۔ اگر یا جہاد میں کسی برائی کے خاتمے کے لیے ایک نے دوسرے پر تلوار اٹھائی تو اس میں قاتل جہنمی نہیں ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے وہ تمام بنیادیں مسمار فرمادیں جو باہم عداوتیں پیدا کرتی اور فتنہ فساد

کا سبب بنتی ہیں۔

ابو داؤد شریف میں روایت ہے کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر پر تھے۔ایک شخص سوگیا اور کسی دوسرے نے اس کی رسی جو وہ اپنے ساتھ لے کر سو رہا تھا' مزاج میں اٹھالی تاکہ وہ پریشان ہو۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَرَوِّعَ مُسْلِمًا(۷۳)

مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو مرعوب و خوفزدہ کرے۔

ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا یَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ یُرَوِّعَ مُسْلِمًا(۷۴)

کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو مرعوب و خوفزدہ کرے۔

اسی طرح کی ایک اور روایت جو ابن عمرؓ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَوْ مُؤْمِنٍ اَنْ یُرَوِّعَ مُسْلِمًا(۷۵)

کسی مسلمان یا مومن کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو خوفزدہ کرے۔

اسامہ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حج کے لئے آیا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لوگ حاضر ہو رہے ہیں۔ اور کوئی پوچھ رہا ہے۔ کہ میں نے طواف سے قبل سعی کرلی۔ یا فلاں کام پہلے کر لیا اور فلاں کام بعد میں (اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟) آپؐ سب کو یہی جواب دے رہے تھے کہ کوئی حرج نہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ حرج تو بس اس میں ہے کہ ظلم کی راہ سے اپنے مسلمان بھائی کی آبروریزی کرے۔ یہ ہے وہ شخص جو حرج میں پڑ گیا۔ اور ہلاک ہو گیا۔(۷۵a)

فساد کا سبب بننے والا کام بھی نہ کیا جائے:

ابو داؤد میں روایت ہے آپؐ نے فرمایا:

لَا یَاْخُذَنَّ اَحَدُکُمْ مَتَاعَ اَخِیْهِ لَا عِبًا وَّ لَا جَادًّا(۷۶)

تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی کوئی چیز ہنسی مزاح یا اس کی اہانت کرنے یا تنگ کرنے کے لیے نہ اٹھائے۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ کوئی شخص دوسرے کی لاٹھی بھی مزاح یا جان بوجھ کر نہ اٹھائے اگر اس نے ایسا کیا تو اسے چاہئے کہ وہ واپس کر دے۔

مسند بزاز' طبرانی اور ابن حبان کی صحیح میں روایت ہے ایک شخص نے دوسرے شخص کا جوتا اٹھایا اور اسے غیب کر دیا۔ وہ اس سے مزاح کر رہا تھا اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا:

لَا تُرَوِّعُوْا الْمُسْلِمِ فَاِنَّ رَوْعَةَ الْمُسْلِمِ ظُلْمٌ عَظِیْمٌ (۷۷)

کوئی مسلمان کو نہ ڈرائے بے شک مسلمان کو ڈرانا بہت بڑا ظلم ہے۔

طبرانی میں ایک روایت ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص اٹھ کر باہر چلا گیا لیکن اپنا جوتا بھول گیا۔ لوگوں نے اسے چھپا لیا جب وہ واپس آیا تو اس نے اپنے جوتے کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ بعد میں لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے ایسا از راہ مزاح کیا تھا۔ آپؐ نے دو تین مرتبہ یہ الفاظ دھرائے۔

فَکَیْفَ بِرَوْعَةِ الْمُؤْمِنِ؟ (۷۸)

"یہ مومن کو ستانا کیسا ہے؟"

ایک اور روایت ہے ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے کسی مومن کو ڈرایا تو اللہ نے اپنے اوپر لازم ٹھہرالیا ہے کہ وہ اسے قیامت کے روز اسی طرح ڈرائیں گے۔ (۷۹)

مولانا بدر عالم میرٹھی ترجمان السنہ میں واقدی اور ابن عساکر کے حوالے سے یہ واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت زید ابن ثابت خندق کے موقع پر کھدائی کر رہے تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۱۵ برس تھی۔ انہیں نیند آگئی۔ وہ سو رہے تھے کہ کسی نے مزاحا ان کے ہتھیار اٹھالئے۔ بیدار ہونے کے بعد انہوں نے نبی کریم ﷺ سے شکایت کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا اس نوجوان کے ہتھیاروں کی کسی کو خبر ہے؟ [illegible] نے لئے ہیں [illegible] وہ انہوں نے واپس کر دیئے۔ فرمایا [illegible] اَنْ یُرَوِّعَ الْمُؤْمِنَ [illegible]

اَنْ یُؤْخَذَ مَتَاعَهٗ لاَ عِبًا وَلاَ جِدًا آپؐ نے منع فرمایا۔ کہ کسی مومن کو پریشان کیا جائے اور اس کا سامان ہنسی میں یا حقیقت میں اٹھالے۔(79a)

کسی بھی فتنے اور بدامنی کی فضا سے بچنے کے لیے اسلام کی حکمت عملی کمال احتیاط پر مبنی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کوئی شخص اسلحہ یا اور ایسی چیز جس سے کسی کو تکلیف یا زخم پہنچنے کا خدشہ ہو سکتا ہو' غیر محتاط انداز سے لے کر نہ چلے۔(۸۰) ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو حکم فرمایا جو مسجد میں تیر لے کر جا رہا تھا کہ وہ جب تیروں کو لے کر نکلے تو ان کی پیکانوں کو پکڑ کر رکھے ایسا نہ ہو کہ اس کی نوک کسی کو لگ جائے۔(۸۱) ایسی صورت میں جب پیکان کو پکڑا ہو گا تو اگر تیر کسی کو لگ بھی جائے تو نقصان یا تکلیف نہیں ہوگی۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں آپؐ نے فرمایا:

> جو شخص تم میں سے بازار یا مسجد میں آئے اور اس کے ہاتھ میں تیر ہوں تو ان کی نوک والی سمت کو اپنے ہاتھ میں پکڑ کر رکھے یا اس نوک کو مٹھی میں دبائے رکھے ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو لگ جائے۔(۸۲)

یہ احادیث مسلم شریف میں بھی ہیں۔ آخری حدیث میں اس قدر اضافہ بھی ہے نبی کریمؐ نے یہ حکم تین مرتبہ دہرا کر دیا۔ اور ابو موسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ اس کے بعد خدا کی قسم مرنے تک کسی نے تیر نہیں چلایا مگر دوسرے کے سامنے سے۔ یعنی ہمارے تیر سے صرف جنگ میں ہی کسی کو تکلیف پہنچی۔

اس بے احتیاطی کی عملی شکلیں ہم اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں کہ بے احتیاطی سے بندوق صاف کرتے ہوئے سامنے والے کو گولی لگ گئی۔ نبی ﷺ کے ان فرامین کا اطلاق اگر ہم اس طرح کی صورتِ حال پر کریں تو کہا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص بندوق وغیرہ صاف کرتے ہوئے اس بات کی احتیاط کرلے کہ پہلے اچھی طرح دیکھ لے کہ کہیں اس کے اندر کوئی گولی تو موجود نہیں۔ آتش بازی کے ذخیرے شہری آبادیوں کے اندر بنائے جاتے ہیں۔ آتش بازی کا سامان گنجان آبادیوں میں تیار کیا جاتا ہے۔ ان فرامین کی روشنی میں ان ذخیروں اور دکانوں پر پابندی عائد کی جا سکتی ہے۔ کہ انہیں شہروں کے باہر منتقل کیا جائے۔

اسی طرح آپؐ کے ان فرامین کا اطلاق شادی بیاہ کے موقع پر ہونے والی آتش بازی اور فائرنگ پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس موقع پر خوشی اور جذبات میں کئی دفعہ من چلے نوجوان حادثات کر بیٹھتے ہیں۔ باشعور شہریوں میں اتنا شعور بیدار ہونا چاہئے کہ کیا خطرناک کام کرکے ہی خوشی کا اظہار ہو سکتا ہے؟ اسی طرح بسنت وغیرہ کے موقع پر ہونے والی آتش بازی کے حوالے سے ان احادیث سے راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ کہ اس طرح کے مواقع پر بھی غیرذمہ دارانہ انداز سے فائرنگ کی جاتی ہے۔

اس کے برعکس نبی کریم ﷺ نے تو مسلمان کو تلقین کی ہے کہ وہ اس بات کو اپنی زندگی کا حصہ بنائے کہ اگر وہ کوئی ایسی چیز دیکھے جس سے دوسرے کو تکلیف ہو سکتی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس اذیت دینے والی چیز کو راستہ سے ہٹا دے۔ اس سلسلے میں ایک روایت میں ایک پتھر ہٹانے' ایک میں ایک درخت کی ٹہنی ہٹانے جو لوگوں کو تکلیف دیتی تھی۔ ایک روایت میں راستے میں کانٹا ہٹا دینے پر انسان کو مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔

گویا ان احادیث میں فرمایا گیا کہ اسلام اس بات کو بھی گوارا نہیں کرتا کہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے غیرارادی طور پر کسی دوسرے مسلمان کو نقصان اور تکلیف پہنچے۔ چہ جائیکہ مسلمان دوسروں کے خلاف ہتھیار بند ہو کر لڑے۔ فرمایا گیا کہ ایسا نہ ہو کہ غیرارادی طور پر تیر کی نوک کسی کو لگ جائے اور وہ تکلیف کی حالت میں مشتعل ہو کر جوابی حملہ کر دے حالانکہ اس میں دوسرے شخص کی نیت داخل نہ تھی۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ننگی تلوار لے کر چلنے سے بھی منع فرمایا۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں۔

نَهٰى رَسُوْلُ الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَتَعَاطَى السَّيْفَ مَسْلُوْلاً(۸۳)

نبی کریم ﷺ نے کسی کو ننگی تلوار دینے (پکڑانے) سے منع فرمایا (مبادا اس کو اچانک لگ جائے)

مسلم شریف میں روایت ہے کہ ایک شخص تیر لے کر مسجد میں آیا۔ آپؐ نے فرمایا

کہ انہیں پیکانوں سے پکڑ لو۔ دوسری حدیث میں وضاحت ہے کہ پیکانوں سے پکڑ لو ایسا نہ ہو کہ کسی کو لگ جائے۔ ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ خدا قسم ہم نہیں مرے کہ اس کے بعد ہم نے تیر دوسروں کے منہ پر ہی مارا۔ یعنی تیر چلایا تو جنگ کے دوران ہی چلایا۔(۸۴)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا۔(۸۵)

جس شخص نے ہمارے اوپر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

فلیس منا میں ایک بہت بڑی وعید سنائی گئی ہے نبی کریم ﷺ اگر کسی شخص کو اپنے امتیوں میں سے نکال دیں تو اس شخص کی بدنصیبی اور کیا ہوسکتی ہے؟ حدیث مبارکہ کا مفہوم یہی ہے کہ ایسا کرنے والا ایسے کام کا مرتکب ہوا جو نبی کریم ﷺ کے امتی کے شایان شان نہیں ہے۔

بخاری اور مسلم شریف میں روایات ہیں کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھا کر آمنے سامنے آجاتے ہیں تو وہ دونوں جہنم کے کنارے پر ہوتے ہیں۔ پھر جب ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا تو دونوں جہنم میں چلے گئے۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ مقتول کیسے جہنمی ہوگا؟ فرمایا کہ اس نے بھی تو دوسرے کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔(۸۶)

شریعت اسلامیہ کا مزاج یہ ہے کہ وہ ان اسباب کا بھی تدارک کرتا ہے۔ جو کسی خرابی کا سبب بنتے ہیں۔ ہمارے موضوع زیر بحث کے حوالے سے نبی کریمؐ کا یہ حکم بڑا اہم ہے کہ آپ نے فتنے فساد کے زمانے میں ہتھیاروں کے عام کاروبار کو ممنوع قرارُ دیا ہے۔(۸۷) تاکہ فساد کی جڑ کٹ جائے۔

نبی کریم کے احکام پر عمل درآمد اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اس اعتبار سے یہ اصول اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی حکومت فتنے فساد کے زمانے میں ہتھیاروں کی تیاری' ان کی خرید و فروخت پر سرکاری طور پر پابندی لگا دے۔ اگر تحفظ کے لئے اسلحہ عوام کی ضرورت ہو تو اسے محدود دائرے میں خصوصی اجازت اور لائسنس کے ساتھ ان کے دوست استعمال کی ضمانت کے ساتھ اسلحہ رکھنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ اسلحہ کی سمگلنگ روکنا بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام یہ بات گوارا نہیں کرتا کہ اسلحہ کی نمائش کی جائے۔ نمائش کے دوران کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آسکتا ہے۔ اسلحہ کی نمائش کے دوران کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آسکتا ہے۔ اسلحہ کی نمائش کا مقصد دوسروں کو مرعوب کرنا ہوتا ہے۔ ان احادیث میں اس بات کی واضح ممانعت موجود ہے۔ اس رجحان کا ایک مزید برا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ اگر دوسرا فریق بھی اسی طرح اسلحہ لے کر نکل آئے تو فساد برپا ہو سکتا ہے۔ اسلحہ کی نمائش کا برا نتیجہ یہ بھی ہے کہ دوسرے کو مرعوب کرنا غرور اور تکبر کا مظاہرہ بھی ہے۔

ان احادیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک شخص کا دوسرے کے خلاف تلوار اٹھا کر حملہ آور ہو جانا ہی یہاں مراد نہیں بلکہ اس سے مراد اسلحہ تیار کرنا' دوسرے کے خلاف منصوبہ بندی کرنا' دشمنی کی فضا تیار کرنا' جتھہ بندی کر کے لوگوں کو مقابلے کے لیے تیار کرنا بھی ہوگا۔ خصوصی طور پر آج کے دور کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ان احادیث کی اہمیت کہیں بڑھ جاتی ہے کہ ہر فرد جس کے بارے میں توقع تو یہ تھی کہ وہ ایک دیوار کی اینٹوں کی مانند ایک دوسرے کے لیے تقویت کا باعث ہوگا وہ اپنے ہی بھائی کے خلاف کسی نہ کسی انداز سے برسر پیکار رہے۔ آج ہر شخص اپنے مسلمان بھائی سے اسلحہ کی زبان سے بات کرتا ہے اور دور جاہلیت کی طرح دوسروں کو اسلحہ سے ڈرا کر اپنی دھاک بٹھانے کے منصوبے بنا رہا ہے۔

مل جل کر زندگی گزارتے ہوئے لوگوں کے درمیان اختلافات کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے لیے بڑے انعام کا ذکر فرمایا جو باہمی نزاعی معاملات میں ضبط و تحمل اور عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے کشیدگی سے اجتناب کرتا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

بلکہ اس موقع پر تو شریعت اسلامیہ میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے کہ دو فریقوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے اگر کچھ جھوٹ بھی بولنا پڑے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ مسلم شریف میں روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس ویقول خیرا و ینمی خیرا(۸۷)

وہ شخص جھوٹا نہیں جو لوگوں میں صلح کروائے اور اچھی باتیں کہے۔

ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ تین مواقع کے علاوہ کسی اور موقع کے لیے جھوٹ

بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک لڑائی ختم کرانے کے لیے۔ دوسرے لوگوں میں صلح کروانے کے لیے یا میاں بیوی میں کسی غلط فہمی اور تنازعے کو ختم کرانے کے لیے۔ ان تین صورتوں کے علاوہ اس صورت میں بھی جھوٹ بولنے کی اجازت ہے کہ ایک ظالم شخص کسی بے گناہ کو قتل کرنا چاہے اور مطلوبہ شخص کسی کے ہاں چھپا ہوا ہو تو اسے بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہو جاتا ہے۔ بعض علماء کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اس موقع پر جو ظاہراً جھوٹ بولا جاتا ہے' اسے جھوٹ کہا ہی نہیں جاتا۔ اسے "توریہ" کہتے ہیں۔ جھوٹ ہر حال میں گناہ ہے۔(۸۸)

صلح کے لیے جھوٹ بولنے کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ صلح کرانے والا دونوں فریقوں کو عمدہ اور صلح کی طرف آگے لے جانے والی باتیں بتلائے کہ ان کے درمیان بدگمانیاں اور اشتعال پیدا کرنے والی باتیں کم ہوں۔ آپؐ نے فرمایا:

> "کیا میں تمہیں روزے نماز اور صدقے سے بھی بڑھ کر ایک عمل کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ نے کہا کہ بتائیں۔ فرمایا دو بندوں کے درمیان صلح اور فساد کی اصلاح کروائی جائے۔"

اس سلسلے میں کتاب کے صفحہ ۶۳ سے ۶۸ تک تفصیلی بات ہو چکی ہے۔

اشتعال انگیز رویے کی ممانعت:

نبی کریم ﷺ نے فتنے فساد کے محرکات کا مستقل طور پر سدباب کر کے ان اسباب کا تدارک فرما دیا جو اس کا سبب بنتے ہیں۔

اس سلسلے میں اسلام کا نظام اخلاق سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ غصہ وہ بنیادی جڑ ہے جو فساد کے آغاز کا سبب بنتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے غصے کو قابو میں رکھنے والے اللہ کو بہت محبوب ہیں۔ فرمایا: وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۸۹) وہ لوگ جو اپنے غصہ پر قابو رکھتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث نبوی میں واضح کیا گیا ہے کہ غصہ شیطان کے اشتعال کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے فرمایا اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ (۹۰) (بے شک شیطان ان کے دلوں میں

اشتعال پیدا کرتا ہے) ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا (۹۱)
بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اور تم اسے اپنا دشمن ہی سمجھو) یہ بات قرآن مجید میں ایک
سے زائد مقامات پر واضح کی گئی ہے۔(۹۲) اسی لیے فرمایا وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (۹۳) جب شیطان تمہارے دلوں میں اشتعال پیدا کرے تو تم اللہ کی پناہ طلب
کیا کرو۔

نبی کریم ﷺ نے بھی اس کی توضیح فرمائی کہ شیطان اس بات سے تو مایوس ہوگیا ہے
کہ اس کی پوجا کی جائے لیکن یہ لوگوں کو آپس میں بھڑکائے گا۔ فرمایا کہ شیطان اپنے کارندوں کو
بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بھڑکائیں اور اس کے نزدیک سب سے بڑا مقرب وہ کارندہ ہوتا ہے
جو لوگوں کو بھڑکاتا ہے۔ اس کے کارندے اس کے سامنے اپنی اپنی کارگزاری پیش کرتے ہیں اور
جن جن جرائم کا ارتکاب انہوں نے لوگوں کو اکسا کر کروایا ہوتا ہے ان کا ذکر کرتے ہیں لیکن بڑا
شیطان سب سے زیادہ خوش لڑائی کے لئے بھڑکانے والے کارندے پر ہوتا ہے۔(۹۴) نبی کریم
ﷺ نے دشمن کے اس وار کو ناکام بنانے کا حکم فرمایا کہ لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا
الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ(۹۵) پہلوان وہ شخص نہیں۔ جو بدلہ لینے میں
زیادہ سخت ہو بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔

آپ سے بہترین نیکی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا لَا تَغْضَبْ
(۱۰۱) یعنی غصہ نہ کر" آپؐ نے غصے کا علاج بھی مختلف طریقوں سے بیان فرمایا۔ غصے کی حالت میں
نبی کریم ﷺ نے وضو کرنے کا بھی حکم دیا۔ اس سے شیطان کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ آپؐ نے
فرمایا کہ غصے کی حالت میں اگر کوئی کھڑا ہے تو بیٹھ جائے۔(۹۷)

بہت سے جرائم کا فوری محرک فوری اشتعال ہوتا ہے جسے قانون کی زبان میں
Provocation sudden کہا جاتا ہے۔ یہ کیفیت غصے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن نے اس
کے مقابلے میں صبر، عفو و درگزر اور احسان کی تعلیم دی اور لوگوں کو ترغیب دی کہ اگر وہ غصہ
کی حالت میں انتقامی کاروائی نہ کریں تو یہ بات اللہ کو بہت پسند آتی ہے۔(۹۸) قرآن مجید کہتا ہے
کہ اگر تم زیادتی کا بدلہ لینا چاہو تو لے سکتے ہو لیکن اگر تم معاف کر دو تو یہ باعث اجر ہوگا۔
لیکن بدلہ لینے میں بھی تمہیں اس بات کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ جس قدر زیادتی تمہارے ساتھ کی

گئی ہے' بدلہ اسی قدر لیا جائے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کا فلسفہ یہ ہے کہ برائی کا بدلہ برائی کی صورت میں دینے کی بجائے برائی کو اچھائی اور حسن سلوک سے مٹاؤ اس طریق کار کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا بدترین دشمن بہترین دوست بن جائے گا۔(۹۷) قرآن اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ کسی کی زیادتی پر صبر کر جانا اپنے نتیجے کے اعتبار سے بدلہ لینے سے بہتر نتائج پیدا کرے گا۔(۱۰۰) قرآن یہ تعلیم بھی دیتا ہے کہ اگر تم لوگوں کی غلطیاں معاف کرو گے تو اللہ تعالی تمہاری غلطیوں پر بھی پردہ ڈالیں گے۔(۱۰۱)

غرض قرآن مجید نے کسی بھی طرح کے اشتعال کی حوصلہ شکنی ہی نہیں کی بلکہ اشتعال کا سبب بننے والے کاموں کا سد باب کرتے ہوئے کسی کو گالی دینے کی ممانعت فرمائی'(۱۰۲) زبان کا غیر ذمہ دارانہ استعمال ممنوع قرار دیا۔ کسی کو کافر قرار دینے سے روکا۔(۱۰۳) لعنتی کہنے(۱۰۴)' تہمت لگانے' چغلی کرنے(۱۰۵) کسی کا تمسخر اڑانے' دوسروں کو حقیر جاننے'(۱۰۶) بے جا پروپیگنڈہ کرنے'(۱۰۷) افواہیں پھیلانے' کسی کو نسب کا طعنہ دینے اور دیگر مشتعل کرنے والی حرکات کی شدت سے ممانعت کر دی گئی۔ حسد بھی اس سلسلے میں بڑا منفی کردار ادا کرتا ہے' قرآن و سنت میں اسے بھی بہت بڑا اخلاقی مرض قرار دیا گیا۔

ان سب باتوں کا تعلق انسانی اخلاق و کردار سے ہے۔ اسلامی معاشرے کے تمام افراد اس پر عمل کرنے کے پابند ہیں لیکن اسلامی مملکت بھی اس بات کی پابند ہے کہ وہ لوگوں کی اخلاقی تربیت کا اہتمام کرے۔ وہ ذرائع ابلاغ' نصاب تعلیم اور دیگر ذرائع سے ان پہلوؤں پر لوگوں کا شعور بیدار کرے۔ تعلیمی اداروں میں تعلیم کے ساتھ تربیت کا بھی اہتمام کیا جائے' اجتماعی مجالس میں ایسے مواقع فراہم کئے جائیں کہ مختلف الخیال لوگوں کو مل بیٹھنے کا موقع ملے اور رواداری پیدا ہو۔

ظلم و زیادتی کا استیصال:

معاشرے میں بدامنی اور فساد بے چینی کا ایک سبب معاشرتی' معاشی اور سیاسی شعبوں میں ظلم و زیادتی اور حقوق کی پامالی بھی ہے۔ ظالم اپنے اقتدار' معاشرتی برتری' یا معاشی شعبے میں بالا دستی کی بنا پر دوسروں کو زیادتی کا نشانہ بناتا ہے' ان کا استحصال کرتا ہے تو متاثرہ افراد

یا طبقات احتجاج کرتے ہیں اگر احتجاج غیر مؤثر ہو جائے تو وہ ظالم سے خود نمٹنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں معاشرہ بدامنی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسلام اس سلسلے میں معاملات کو جڑ سے پکڑتا ہے اور لوگوں کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ حقوق کی عدم ادائیگی دنیوی اعتبار سے بھی قابل دست اندازی آئین و قانون ہے اور آخرت میں بھی قابل مؤاخذہ جرم قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنے آپ کو مظلوم کی بددعا سے بچاؤ کیونکہ مظلوم کی آہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی آڑ اور رکاوٹ نہیں ہوتی۔ آپؐ نے فرمایا:

اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا(۱۱۵)

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

صحابہؓ نے پوچھا کہ مظلوم بھائی کی تو مدد سمجھ میں آتی ہے' ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ظالم کا ہاتھ روکنا اور اسے ظلم سے باز رکھنا اس کی مدد ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"جو شخص ظالم کا ساتھ دے تاکہ ظالم کو مدد حاصل ہو اور اس مدد کرنے والے کو معلوم ہو کہ وہ ظالم ہے تو ایسا شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا"

اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ:

جن مقاصد کے لیے انبیائے کرام کو دنیا میں مبعوث کیا گیا ان میں سے ایک عظیم مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان مظالم کو روکنے اور ان کے تدارک کے لیے تدابیر عمل میں لائیں۔ کیونکہ اگر ظلم و زیادتی کا سدباب نہ کیا جائے تو نظام تمدن میں ابتری واقع ہو جائے۔(۱۱۶)

استحصال بھی امن و امان کو تہہ و بالا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اسلام نے اس کا استیصال بھی کیا ہے اور محض نصیحت کر دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اللہ کی ناراضگی اور آخرت کی مسئولیت کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ قانونی تحفظات کے ذریعے استحصال کو روکا گیا ہے استحصال زدہ طبقہ اندر ہی اندر اپنی کمزوریوں اور محرومیوں میں جلتا رہتا ہے۔ استحصال کرنے والوں کے خلاف ان کے دل میں لاوا پکتا رہتا ہے۔ مغرب میں سرمایہ داری کے تحت غریب کا استحصال ہوا تو کیمونزم کی شکل میں ردِ عمل ظاہر ہوا اور اس انقلاب میں لاتعداد انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔ استحصال زدہ طبقے جب رد

عمل ظاہر کرتے ہیں تو پھر کشت و خون کی ندیاں بہہ جاتی ہیں۔ اسلام نے ہر طرح کے استحصال کی راہیں بند کر دیں۔

اگر عورت کا استحصال ہوتا تھا تو اسے تمام معاشرتی' دینی اور قانونی تحفظات کے ساتھ معاشی' معاشرتی اور عائلی حقوق عطا کیئے۔

معاشی استحصال روکنے کے لیے تمام ذرائع اختیار کیئے ہیں۔ اس سلسلے میں معاشی عدل کا عملی نظام دیا۔ سود کا خاتمہ کیا۔ ہر اس کاروبار اور لین دین کی ممانعت کر دی جس میں دوسرے کی مجبوری کار فرما ہو۔ رشوت کا خاتمہ کر دیا۔ دولت کی عادلانہ گردش کا اہتمام کیا اور ارتکاز دولت کی راہیں مسدود کر دیں۔

اگر حکمرانوں کے آمرانہ رجحانات کی وجہ سے عوام میں بے چینی پیدا ہوتی ہے تو نبی کریم ﷺ کے دیئے نظام سیاست میں ایسا کرنے والے حکمرانوں کو سخت ترین وعیدیں سنائی گئیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص کو عوام کی حکمرانی دی گئی اور اس نے ان کی خیر خواہی میں اپنی تمام قوتیں صرف نہ کیں تو وہ حکمران جنت کی خوشبو بھی نہیں پاسکے گا۔ کمزور طبقات میں سے ایک غلام اور ملازمین ہیں۔

آپ نے ان کے حقوق کی اہمیت بھی بیان فرمائی۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ آپؐ نے اپنی وفات سے چند لمحے پہلے جن باتوں کی تاکید فرمائی۔ ان میں غلاموں اور عورتوں کے حقوق کی خصوصی نگہداشت بھی ہے آپؐ نے معاشرے کے اس طبقے کی ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی۔ حتیٰ کہ آپ کی دعوت پر اولین طور پر لبیک کہنے والوں میں اسی طبقہ کے لوگ شامل تھے۔ آپ نے غریبوں کو خوشخبری دی کہ یہی دعوت دین کے پہلے مؤید بنے۔ اور آخر میں یہی دین کے محافظ بنیں گے۔ اسی کے صلے میں اللہ ان کو دوسروں کے مقابلے میں پہلے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

آپؐ نے ان تعلیمات کے ذریعے خونی انقلابات' بدامنی اور فساد' احتجاج کی سیاست اور لاقانونیت کا سدباب کر دیا۔

آج ہم امن وامان کے قیام اور بدامنی کے انسداد کے لیے لاکھوں خرچ کرتے ہیں حکومتوں کے لیے امن و امان کا مسئلہ سردرد بنا ہوا ہے۔ لیکن قیامِ امن کی رسی کا سرا

ہے کہ حل نہیں رہا اور امن و امان کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اس سلسلے میں نبوی حکمت عملی کا عملی مظاہرہ ہم حضرت عمرؓ کی وسیع و عریض مملکت میں دیکھتے ہیں جو کم و بیش پچیس لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی اور جس میں عربی و عجمی قومیتیں موجود تھیں جو اپنے آپ کو مزاج کے اعتبار سے ایک دوسرے کا مدمقابل سمجھتی تھیں۔ ان قومیتوں کا مذہبی، ثقافتی اور سماجی پس منظر ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ یہ لوگ ابھی نو مسلم تھے اس طرح کے متصادم رجحانات رکھنے والی وسیع وعریض مملکت میں امن قائم ہوا تو اس کا راز یہی تھا کہ کسی کو کسی پر ظلم وزیادتی کی جرأت نہ تھی اور ریاست لوگوں کے حقوق کی ضامن تھی۔

فساد کے خاتمے کے لئے اسلام نے جو ذرائع اختیار کئے ہیں ان میں سے ایک مؤثر ذریعہ یہ ہے کہ اس نے سزاؤں کا ایک

قرآن مجید مختلف جرائم کو فساد اور فتنے سے تعبیر کرتا ہے۔ قتل کی برائی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا۔

فساد کے خاتمے کے لئے اسلام نے جو ذرائع اختیار کئے ہیں ان میں سے ایک مؤثر ذریعہ حدود تعزیرات کا نظام ہے۔

معاشرے کو فتنے فساد سے بچانے کے لیے اسلام نے حدود و تعزیرات کا ایک مؤثر نظام دیا ہے۔ اسلامی حدود کے بارے میں شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔

شریعت نے بعض جرائم پر حدود مقرر کی ہیں۔ یہ وہ جرائم ہیں جن کی وجہ سے دنیا میں فتنہ فساد پیدا ہوتا ہے اور مسلم معاشرے کا امن و سکون غارت ہو جاتا ہے۔ دوسرے ان جرائم کے بار بار ارتکاب سے نفس انسانی کو ان جرائم کی لت پڑ جاتی ہے۔ پھر اس جرم سے باز رکھنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ اکثر اوقات بے چارے مظلوم کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ان مجرموں کے مقابلے میں اپنا تحفظ کر سکے۔ اگر ان جرائم کی روک تھام نہ کی جائے تو پھر یہ جرائم وبا کی طرح پھیل کر پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ اس طرح کے جرائم کے خاتمے کے لیے محض آخرت کے خوف اور وعظ و تلقین سے کام نہیں چلتا بلکہ اس کے لیے سخت

سزاؤں کانفاذ ضروری ہوتا ہے تاکہ مجرم کا انجام سب کے سامنے ہو جسے دیکھ کر دوسرے لوگ جرم سے باز رہیں۔(۱۲۱)

شاہ ولی اللہ اس کی وضاحت زنا کے فعل بد سے کرتے ہیں کہ اس فعل کے نتیجے میں عورت کے خاندان کو سخت رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس سلسلے میں کشت و خون ہوتا ہے۔ اس لیے شریعت نے اس کی سزا بھی سخت مقرر کی ہے۔ اگر سزا عبرت ناک نہ ہوتی تو اس جرم کو پھیلنے سے روکا نہیں جاسکتا تھا۔(۱۲۲)

معاشرے کو فتنے فساد سے بچانے کے لیے اسلامی حدود بڑا اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن لکھتے ہیں کہ تمام حدود کے نفاذ سے معاشرے کی حفاظت مقصد ہے کیونکہ یہ اللہ کے حقوق میں سے ہے کہ اجتماعی زندگی کو محفوظ رکھا جائے۔ اسی طرح وہ تمام امور جن میں فقہائے امت نے اللہ تعالیٰ کے حق کو غالب تصور کیا ہے ان میں اشخاص کے انفرادی حقوق کا لحاظ نہیں رکھا جاتا بلکہ اجتماعی زندگی کا مفاد پیش نظر رکھا جاتا ہے اور اشخاص کے انفرادی مفاد کو اس کے تابع قرار دیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ ان حدود کے نفاذ میں ان اثرات کا لحاظ رکھا جاتا ہے جو بحیثیت مجموعی مرتب ہوتے ہیں۔ اس میں کسی جرم کا ارتکاب کرنے والے کے فعل کی مقدار اور اس شخص کی زیادتی کو جو ایک فرد سے دوسرے فرد پر واقع ہوتی ہے' کو بنیاد نہیں بنایا جاتا۔(۱۲۳)

فقہا نے یہ اصول متعین کیا ہے جو جرائم کل معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں وہاں معاشرے کے افراد کا حق اللہ تعالیٰ کے حق میں ضم ہو جاتا ہے۔ اس جرم کی نوعیت کے اعتبار سے ہی مجرم کو سزا دی جائے گی۔ ان سزاؤں کا مقصد مجرم کو سزا دینا بھی ہے اور دوسروں کو عبرت دلانا بھی کہ وہ ڈر کر جرم کا ارتکاب نہ کریں۔

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن لکھتے ہیں کہ اسلام نے جو سزائیں مقرر کی ہیں وہ بذاتہ مفسد سخت ہیں۔ دور حاضر میں قید کر دینے کی جو سزا مقرر ہے وہ درحقیقت مجرم کے حق میں ایذاء کا باعث نہیں ہوتی بلکہ اس سزا کے اجراء سے مزید فساد پیدا ہوتا ہے اور مجرم

کے ضمیر میں جرم کی جڑیں مزید گہری ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام نے جو سزائیں مقرر کی ہیں وہ مجرم کو جرم سے دور کرنے اور دوسرے لوگوں کے لیے سخت تنبیہہ کا سبب ہو جاتی ہیں۔ وہ مجرم کے ذہن پر اثر ڈالتی ہیں۔ کہ وہ اپنے قلب کو جرم سے پاک و صاف رکھے اور یہ جذبہ جرم کو اس طرح پھاڑ دیتی ہے جس طرح تیز دھار آلہ کسی شے کو پھاڑتا ہے۔(۱۲۴)

سید متین ہاشمی لکھتے ہیں کہ اسلامی سزائیں بظاہر سخت ہیں لیکن اگر بڑے بڑے جرائم کے منفی اثرات کا مشاہدہ کیا جائے تو یہ سزائیں اس تناظر میں بالکل فطری دکھائی دیتی ہیں۔ اسلام جرائم کے خاتمے کے ساتھ ساتھ ان کے وقوع پذیر ہونے کے اسباب و محرکات کا بھی انسداد کرتا ہے۔(۱۲۵) اور فساد' بدامنی اور بے یقینی کا خاتمہ مستقل بنیادوں پر کرتا ہے۔

قرآن مجید مختلف جرائم کا ذکر ان کی خرابیوں کے سیاق و سباق میں بیان کرکے ان کی برائی ہمارے ذہن نشین کرواتا ہے۔ مثلاً قتل نفس کا ذکر اس انداز سے کیا۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا۔(۱۲۶)

جس نے کسی جان کو بغیر حق (وجہ) کے قتل کیا تو اس نے گویا پوری انسانیت کو قتل کر ڈالا۔

قرآن مجید نے یہ پیرایہ اس لیے اختیار کیا ہے تاکہ اس کی برائی اور برے اثرات ذہن نشین کرائے جاسکیں۔ اس لیے قرآن مجید نے قتل کی سزا بھی بہت سخت رکھی ہے۔ ہم ذرائع ابلاغ کے ذریعے جانتے ہیں کہ ایک قتل بہت سے قتلوں کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ خاندانوں کے خاندان ختم ہو جاتے ہیں لیکن انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہو پاتی۔ اسلام سے قبل کی زندگی اور آج کے دور میں مذہبی اور قبائلی تعصبات کی بنیاد پر ہونے والے قتل اس کی مثال ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے عمداً کسی کو قتل کرنے کی سخت ترین سزا سنائی ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا(۱۲۷)

جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دیا اس کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا اور اللہ کا غضب اور لعنت ہوگی اور اس کے لیے نے ہم بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

غلطی سے کسی مومن کو قتل کرنے کا ذکر بھی سورۃ النساء کی آیت نمبر۹۲ میں کیا گیا ہے اگر دشمن ملک کا مسلمان شہری مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو جائے یا معاہد ملک کا شہری کسی سے قتل ہو جائے تو اس کی سزا بھی مقرر ہے۔ قتل کے نتیجے میں ہونے والے فساد اور بدامنی کے انسداد کے لیے قرآن نے اصول دیا کہ جان کے بدلے جان کی سزا میں تمہارے لیے حیات و زندگی ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَاُولِي الْاَلْبَابِ(۱۲۸)

"اے عقل والو تمہارے لئے قصاص میں زندگی (کاراز) ہے۔"

اسی طرح قرآن حکیم میں حرابہ (رہزنی) کی سزا بھی بہت سخت رکھی ہے۔

حرابہ میں کچھ لوگ مل کر منصوبہ بنا کر قتل یا ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ مسافروں اور بے گناہوں کو قتل کرنے اور ان کا سامان چھیننے کے علاوہ خوف و ہراس پھیلاتے ہیں۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر۳۳ میں رہزنی کی سزا کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ حاکم کا فرض ہے کہ وہ راہزنوں کی جماعت کے مکمل استیصال کے لیے پوری جدوجہد کرے اور اگر مصلحت کا تقاضا ہو تو اس جماعت کے سرغنہ کو قتل کرا دے۔ اکثر فقہا کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ اگر ڈاکوؤں کی جماعت طاقت پکڑ رہی ہو اور حکومت بے بس ہو رہی ہو تو اس کے گروہ کو قتل کروا دیا جائے۔(۱۲۹)

حوالہ جات

1 البقرہ: ۱۹۱

2 البقرہ: ۲۱۷

3 مسلم ' امام ' الجامع الصحیح ' کتاب الایمان ' باب الامر بقتال الناس ' حدیث نمبر ۱۲۴
ابن ماجہ ' سنن ابن ماجہ ' ابواب الفتن ' باب ا لکف عمن قال لا الہ الا اللہ حدیث نمبر ۲۸-۳۹۲۷

4 ابن کثیر ' حافظ ' تفسیر القرآن العظیم ' سہیل اکیڈمی ' لاہور ' جلد اول ' صفحہ ۳۸۹
(آیت نمبر سورۃ ۱۰۴:ال عمران)

5 آل عمران: ۱۰۴

6 البقرۃ: ۱۱

7 النساء: ۱۳۵

8 البقرۃ: ۲۰۴

9 ابن کثیر ' تفسیر القرآن العظیم ' جلد اول ' صفحہ ۱۸۴

10 مسلم ' الجامع الصحیح ' کتاب البر والصلۃ ' باب فی الالدالخصیم ' حدیث نمبر ۶۶۳۰ - ۶۶۳۲

11 بخاری ' صحیح البخاری ' کتاب الادب ' باب ماقیل الوجہین ' حدیث نمبر۶۰۵۸

11a وارمی ' باب ماقیل ذی الوجہین جلد دوم ' صفحہ ۳۱۴

12 البقرۃ: ۲۰۵

13 القصص: ۷۷

14 البقرۃ: ۱۹۰

15 البقرۃ: ۲۲۰

16 القصص: ۸۳

17 القصص: ۷۷

18 الاعراف: ۵۶

19 علی المتقی 'کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال ' جلد گیارہ ' صفحہ ۱۲۸ حدیث نمبر ۳۰۸۹۱

20 المائدۃ: ۱۴

21 الانعام: ۱۶۰

22 آل عمران: ۱۰۵

23 مسلم 'کتاب العلم' باب النہی عن اتباع متشابہ القرآن' حدیث نمبر ۲۶۶۶

24 دارمی ' امام' سنن دارمی' دار الکتب العلمیہ ' بیروت' جلد اول' صفحہ ۱۲۰ رسالہ۔ عباد بن عباد الخواص شامی۔

25 ابوداؤد ' سنن ابی داؤد 'کتاب السنۃ ' باب النہی عن الجدال فی القرآن جلد ہفتم ' حدیث نمبر ۴۶۰۳ 'صفحہ ۱۵۶۱

26 ابوداؤد 'کتاب الادب' باب باب فی کراھیۃ المراء حدیث نمبر ۴۸۳۵ '۴۸۳۶

27 ترمذی 'کتاب البر والصلۃ باب ماجاء فی المراء' حدیث نمبر ۱۹۹۳' صفحہ ۱۸۵۱

ایضاً' حدیث نمبر ۱۹۹۴' صفحہ ۱۸۵۱

ایضاً' حدیث نمبر ۱۹۹۵' صفحہ ۱۸۵۲

28 ترمذی ' جامع الترمذی ' ابواب الفتن ' باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ ' حدیث نمبر ۲۱۶۷ صفحہ ۱۸۶۹ (دارالسلام ایڈیشن)

www.KitaboSunnat.com

29 بخاری 'کتاب الفتن ' حدیث نمبر ۷۰۵۳' صفحہ ۵۸۹

30 بخاری 'کتاب الفتن' حدیث نمبر ۷۰۵۴

مسلم 'کتاب الامارۃ ' باب حکم من فرق امراء المسلمین وھو مجتمع ' جلد ششم ' صفحہ ۲۲

31 مسلم 'کتاب الامارۃ' باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظہور الفتن وفی کل حال 'حدیث نمبر۴۷۹۰' صفحہ ۱۰۱۰

32 ایضاً 'صفحہ ۲۱

33 ایضاً'کتاب الامارۃ' باب حکم من فرق امراء المسلمین وھو مجتمع' جلد ششم 'صفحہ ۲۲

34 ایضاً' صفحہ ۲۲

35 ایضاً ' باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظہور الفتن وفی کل حال ' حدیث نمبر۴۷۸۴' صفحہ ۱۰۰۹' ۱۰۱۰

جلد ششم 'صفحہ ۲۰ ابوداؤد 'کتاب الفتن ' باب ذکر الفتن ودلائلھا' حدیث نمبر۴۲۴۴

36 ایضاً

37 مسلم 'کتاب الامارۃ ' باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظہور الفتن حدیث نمبر۱۸۴۸ - ۱۸۴۹

36 بخاری 'کتاب الفتن ' باب قول النبی ﷺ لا ترجعوا بعدی کفارا' حدیث نمبر۷۰۷۸' ۷۰۸۰' صفحہ ۵۹۰

جلد ہشتم 'صفحہ ۹۰-۹۱ ابن ماجہ 'کتاب الفتن' باب لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض ' حدیث نمبر۳۹۴۲-۳۹۴۳' صفحہ ۲۷۱۳

37 ابن ماجہ صفحہ ۲۷۱۳' حدیث نمبر۳۹۴۴

38 ابن ماجہ صفحہ ۲۷۱۳ ' حدیث نمبر۳۹۴۵

39 بخاری ' باب اذا التقی المسلمان بسیفھما' حدیث نمبر۷۰۸۳' صفحہ ۵۹۱

40 ابوداؤد 'کتاب الفتن ' باب کف اللسان فی الفتنۃ ' جلد چہارم 'صفحہ ۹۹ ' حدیث نمبر ۴۲۶۴ ابن ماجہ 'کتاب الفتن ' باب کف اللسان فی الفتنۃ ' حدیث نمبر۳۹۶۸

40 ابن ماجہ 'کتاب الفتن ' جلد دوم 'صفحہ ۱۳۱۱

41 ایضاً'کتاب الفتن ، جلد دوم ' صفحہ ۱۳۱۲' حدیث نمبر۳۹۶۷ ابوداؤد 'کتاب الفتن ' باب کف اللسان' جلد چہارم ' صفحہ ۱۰۲' حدیث نمبر۴۲۶۴

42 ابوداؤد'کتاب الفتن جلد چہارم ' صفحہ ۹۹ ' حدیث نمبر۴۲۵۶

43 ابو داؤد 'کتاب الفتن ' باب منتسی عن الفتنة حدیث نمبر۴۲۵۷' صفحہ ۱۵۳۲
ابن ماجہ 'کتاب الفتن ' باب التثبت فی الفتنة ' جلد دوم ' صفحہ ۱۳۱۰ حدیث نمبر۳۹۶۱
44 ایضاً ' صفحہ ۱۳۰۹ ' حدیث نمبر۳۹۶۰
45 ابوداؤد 'کتاب الفتن ' جلد چہارم ' صفحہ ۹۶ ' حدیث نمبر۴۲۴۶
46 ابن ماجہ 'کتاب الفتن باب العزلة ' حدیث نمبر۳۹۸۱ '
47 ابوداؤد 'کتاب الفتن ' باب لانهی عن السعی فی الفتنة حدیث نمبر۴۲۶۳ ' صفحہ ۱۵۳۳۔
47a ابن ماجہ 'کتاب الفتن ' باب العزلة ' جلد دوم ' صفحہ ۱۳۱۷ حدیث نمبر۳۹۸۰
48 ابوداؤد 'کتاب الادب ' باب فی العصبیه ' جلد چہارم ' صفحہ ۳۳۲ حدیث نمبر۵۱۲۱
49 ابوداؤد 'کتاب الادب ' باب التفاخر بالاحساب ' جلد چہارم ' صفحہ ۳۳۱ حدیث نمبر۵۱۱۶
50 ابن ماجہ 'کتاب الفتن ' باب العصبیه ' جلد دوم ' صفحہ ۱۳۰۲ ' حدیث نمبر۳۹۴۸
51 ابوداؤد 'کتاب الادب ' باب فی العصبیه ' جلد چہارم ' صفحہ ۳۳۱ ' حدیث نمبر۵۱۱۹
ابن ماجہ 'کتاب الفتن باب العصبه ' جلد دوم ' صفحہ ۱۳۰۲ ' حدیث نمبر۳۹۴۹
52 ابن ماجہ 'کتاب الفتن ' باب العصبه ' جلد دوم ' صفحہ ۱۳۰۲ ' حدیث نمبر۳۹۴۹
53 ایضاً ' حدیث نمبر۳۹۴۸ ' مسلم ' کتاب الامارة ' باب لامر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن حدیث نمبر۴۷۹۲ ' صفحہ ۱۰۱۰
54 مسلم 'کتاب الامارة ' باب لا مربلزوم الجماعة عند ظهور الفتن ' جلد ششم ' صفحہ ۲۱
ابو ابو داؤد حدیث نمبر۵۱۲۰
55 ابوداؤد 'کتاب الادب ' باب فی العصبه
56 ابو داؤد ' ایضاً ' حدیث نمبر۵۱۱۷ ' صفحہ۱۵۶۸
57 ایضاً
58 ایضاً ' حدیث نمبر۵۱۲۳
59 طبری ' تاریخ الامم والملوک ' قاہرہ '
59a جلد دوم ' صفحہ ۶۸۹

60 ابوداؤد 'کتاب الجهاد' باب مایومر من انضمام العسکر' جلد سوم' صفحہ ۹۵
61 مسند احمد' جلد چہارم' صفحہ ۱۹۴
62 ایضاً
63 بخاری 'کتاب الجهاد' باب مایکرہ من رفع الصوت فی التکبیر' جلد چہارم صفحہ ۱۶
64 مؤطا امام مالک 'کتاب الجهاد' باب النہی عن قتل النساء' والولدان فی الغزو' جلد دوم' صفحہ ۴۴۸
65 ابوداؤد 'کتاب الخراج' باب التشدید فی جبابة الجزیہ' حدیث نمبر ۳۰۵۰' صفحہ ۱۴۵۲
66 ایضاً 'کتاب الجهاد' باب فی النہی عن النهبی' حدیث نمبر ۲۷۰۵'' صفحہ ۱۴۲۴
67 مسلم 'کتاب الامارة' باب وجوب ملازمة المسلمین عند ظهور الفتن جلد ششم' صفحہ ۲۱
68 ایضاً

اس کے ساتھ ہی مندرجہ ذیل احادیث بھی اس موضوع کی مزید وضاحت کرتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا! سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر (مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے قتال کرنا کفر ہے) (بخاری 'کتاب الادب' باب ما ینہی من السباب واللعن' حدیث نمبر ۶۰۴۴) اسی طرح آپؐ نے کسی مسلمان بھائی کو فاسق اور کافر کہنے سے بھی منع فرمایا۔ اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو ایسا کہنا اس کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ (بحوالہ ایضاً' حدیث نمبر ۶۰۴۵)

بخاری شریف کے باب ما ینہی من السباب واللعن کے اندر ایسی روایات موجود ہیں کہ جن میں لڑائی جھگڑے کی مذمت کی گئی ہے۔ اسی باب میں لڑائی جھگڑے کی مذمت میں امام بخاری وہ روایت بھی لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو لیلتہ القدر کی خبر دینے کے لیے نکلے۔ راستے میں دو بندے جھگڑ رہے تھے۔ آپؐ ان میں مصروف ہوگئے اسی حالت میں آپؐ سے لیلتہ القدر کی تعیین بھلا دی گئی۔ (حدیث نمبر ۶۰۴۹)

بخاری 'کتاب الفتن' باب من حمل علینا السلاح فلیس منا' جلد ہشتم' صفحہ ۹۰

69 مسلم 'کتاب البر و الصلة والآداب ' جلد ہشتم 'صفحہ ۳۴

70 ایضاً 'کتاب لابر البر و الصلة ' باب النہی من الاشارة بالسلاح الی مسلم 'الجزاء الثامن
ترمذی 'کتاب الفتن ' باب ماجاء فی اشارة المسلم الی اخیہ بالسلاح ' حدیث نمبر
۲۱۶۲-۲۱۶۳ صفحہ ۳۴

71 ترمذی ' الجامع الصحیح 'کتاب الفتن ' باب ماجاء فی اشارة المسلم' حدیث نمبر ۲۱۶۲ صفح
۱۸۶۹

72 ترمذی 'الجامع الصحیح 'کتاب الفتن باب النہی عن القتال فی الفتنة ' حدیث ۴۲۶۸

73 ابوداؤد 'کتاب الادب ' باب من یا خذا الشئی علی المزاح ' جلد چہارم ' صفحہ ۳۰۱ '
حدیث نمبر ۵۰۰۴

74 الترغیب والترہیب ' جلد چہارم 'صفحہ ۲۶۴

75 ایضاً

76 ابوداؤد 'کتاب الادب ' باب من یأخذا الشئ علی المزاح ' جلد چہارم ' صفحہ
۳۰۱ حدیث نمبر ۵۰۰۳ ' حدیث نمبر ۵۰۰۳' صفحہ ۱۵۸۹
ترمذی 'کتاب الفتن'' حدیث نمبر ۲۱۶۰ ' صفحہ ۱۸۶۸

77 ایضاً

78 ایضاً

79 ایضاً

79a بدرع

80 بخاری 'کتاب الفتن ' باب من حمل علینا السلاح فلیس منا' جلد ہشتم 'صفحہ ۹۰

81 ابوداؤد 'کتاب الاداب ' باب من کان معہ سہام فلیاخذ بنصالھا یہ روایت ابوداؤد
کتاب الجہاد باب فی النبل یدخل بہ المسجد میں بھی ہے جلد سوم ' صفحہ ۳۱ حدیث نمبر
۲۵۸۶
بخاری 'کتاب الفتن ' باب من حمل علینا السلاح ' جلد ہشتم ' صفحہ ۹۰

82 مسلم 'کتاب البر و الصلة باب امر بن مر بالسلاح حدیث نمبر ۶۶۶۱ تا ۶۶۶۸

ابوداؤد 'کتاب الجہاد ' باب فی النبل یدخل بہ المسجد ' جلد تین ' صفحہ ۳۱ حدیث نمبر ۲۵۸۷

82a مسلم' کتاب البروالصلۃ باب فضل ازالۃ الاذیٰ عن الطریق حدیث نمبر ۶۶۶۹ تا ۶۶۷۴

83 ابوداؤد 'کتاب الجہاد ' باب فی النہی ان ـتعاطی السیف مسلولا ' جلد سوم ' صفحہ ۳۱ ' حدیث نمبر ۲۵۸۸ ترمذی ' الجامع الصحیح ' ابواب الفتن ' باب ماجاء فی النہی عن تعاطی السیف مسلولا حدیث نمبر ۲۱۶۳ (دارالسلام ایڈیشن)

84 مسلم 'کتاب البرووالصلۃ ' باب امر من مر بسلاح فی مسجد اوسوق اوغیرھما من المواضع الجامعۃ للناس ان یمسک بنصالھا' جلد ہشتم' صفحہ ۳۳

85 بخاری 'کتاب الفتن ' باب من حمل علینا السلاح فلیس منا' جلد ہشتم' صفحہ ۹۰

86 ایضاً 'کتاب الفتن ' باب اذا لتقی المسلمان بسیفھما ' حدیث نمبر ۷۰۸۳ صفحہ ۵۹۱ (دارالسلام ایڈیشن)

87 بخاری 'کتاب' البیوع' باب بیع السلاح فی الفتنۃ وغیرہ۔ جلد اول' حدیث نمبر ۱۹۹۴

91 مسلم' کتاب البروالصلۃ باب تحریم الکذب' حدیث نمبر ۶۶۳۳' صفحہ ۱۱۳۳ (دارالسلام ایڈیشن)

92 مسلم 'کتاب البرو والصلۃ' باب تحریم الکذب و بیان ما یباح منہ ' شرح نووی ' جلد ششم' صفحہ ۲۳۱

93 ابو داؤد 'کتاب الادب' باب اصلاح ذات البین ' حدیث نمبر ۴۹۱۹' صفحہ ۱۵۸۴

94 آل عمران : ۱۳۴

95 بنی اسرائیل : ۵۳

96 فاطر: ۶

97 البقرۃ: ۱۶۸' ۲۰۸

98 الاعراف : ۲۰۰ حٰم السجدۃ : ۳۶

99 مسلم 'کتاب صفات المنافقین و احکامھم ' باب تحریش الشیطان فی العرب ' حدیث ۷۱۰۶ '

صفحہ ۱۱۶۸

100 بخاری 'کتاب الادب ' باب الحذر من الغضب ' جلد السابع ' صفحہ ۹۹ مسلم 'کتاب البرو والصلتہ 'باب من یملک نفسہ عند الغضب ' جلد الثامن 'صفحہ ۳۰

101 بخاری 'کتاب الادب ' باب الحذر من الغضب ' جلد السابع ' صفحہ ۹۹

102 ابوداوَد 'کتاب الادب ' باب یقال عند الغضب ' جلد چہارم ' صفحہ ۲۴۹ حدیث نمبر ۴۷۸۴

103 النحل : ۱۲۶ وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہ اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی لو جتنا تم پر زیادتی کی گئی البقرۃ : ۱۹۴ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ - (پھر اگر کوئی تمہارے اوپر زیادتی کرے تو تم بھی اتنی ہی زیادتی اس پر کرو جتنی تم پر کی گئی-

104 حم السجدۃ : ۳۴ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ

105 النحل : ۱۲۶ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصَّابِرِیْنَ (اگر بدلہ لینے کی بجائے صبر کرو تو یہ بات صبر کرنے والوں کے لیے انجام کے اعتبار سے بہتر ہوگی)

106 النور : ۲۲ اِلاَّ تُحِبُّوْنَ اِنْ یَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (کیا تم پسند نہیں کرتے کہ (تم لوگوں کو معاف کرو اور) اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے-

107 مسلم 'کتاب البروالصلہ 'باب النہی عن السباب' حدیث نمبر۶۵۹۱' صفحہ ۱۱۳۰

108 ابن ماجہ 'کتاب الفتن ' باب سباب المسلم فسوق ---- جلد دوم ' صفحہ سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر" (مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے) فرمایا المستبان ماقالا فعلی البادی مالم یعتد المظلوم جب دو بندے باہم گالی گلوچ کریں تو دونوں کا گناہ اس پر ہوگا جس نے آغاز کیا جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے-
کتب حدیث میں کتاب الادب اور کتاب البروالصلۃ کے تحت باب حفظ اللسان میں تفصیلی احادیث موجود ہیں-

109 مسلم 'کتاب البر والصلۃ ' باب فضل الرفق لا ینبغی لصدیق ان یکون لعانا (سچے

مسلمان کے شایان شان نہیں کہ وہ کسی پر لعنت کرے

110 النور: ۴، ۶، ۱۱، ۱۳، ۱۵، ۱۶، ۲۳

111 الحجرات: ۱۱ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ

112 النساء: ۱۴۸ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ

113 النور: ۱۱-۱۶

114 الحجرات: ۱۲ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا

115 مسلم ، كتاب البر والصلة ، باب نصر الاخ ظالما او مظلوما ، جلد الثامن ، صفحه ۱۹

ایضاً

116 شاہ ولی اللہ ، حجتہ اللہ البالغہ ، حصہ دوم ، صفحہ ۱۱۱

117 مسلم ، کتاب الحدود ، باب قطع سارق الشریف وغیرہ والنهی عن الشفاعة فی الحدود حدیث نمبر ۴۴۱۰ ، صفحہ ۹۷۶

بخاری ، کتاب الحدود ، باب کراهیة الشفاعة ، جلد ہشتم ، صفحہ ۱۶

118 اس سلسلے میں دیکھیں الماوردی ، الاحکام السلطانیہ ، صفحہ ابن تیمیہ ، السیاسة الشرعیة

119 حسن ابراہیم حسن ، تاریخ الاسلام السیاسی ، صفحہ ۲۰۵

120 حسین ہیکل ، عمر فاروق اعظم ، حصہ دوم ، صفحہ ۲۱۹

عبد الوہاب النجار ، الخلفاء الراشدون ، صفحہ ۲۲۸

121 شاہ ولی اللہ حجتہ اللہ البالغہ ، حصہ دوم ، صفحہ ۱۵۸

122 ایضاً

123 تنزیل الرحمٰن ، جرم و سزا کا اسلامی تصور ، صفحہ ۱۲۰

124 ایضاً

125 متین ہاشمی ' اسلامی حدود ' صفحہ ۱۵

126 المائدۃ : ۳۲

127 النساء : ۹۳

128 البقرۃ : ۱۷۹

129 ابن تیمیہ ' السیاسۃ الشرعیہ ' صفحہ ۶۹

www.KitaboSunnat.com

مصادر و مراجع

(1) قرآن حکیم، اردو ترجمہ از شاہ رفیع الدین و نواب وحید الزمان خاں، شیخ محمد اشرف، لاہور

(2) ابن الاثیر، عزالدین علی بن احمد (م ۶۳۰ھ)، الکامل فی التاریخ دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۳ھ۔

(3) احمد بن حنبل، امام (م ۲۴۱ھ)، المسند، دائرۃ المعارف، دکن، ۱۳۴۰ھ۔

(4) بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، (م ۲۵۶ھ)، الصحیح البخاری، ادارہ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ۔

(5) بدر عالم میرٹھی، ترجمان السنۃ، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۰ء۔

(6) بلاذری، ابوجعفر احمد بن یحیٰی، (م ۲۷۰ھ)، فتوح البلدان، مکتبہ النہضۃ، قاہرہ۔

(7) بیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین، شعب الایمان، دار الکتب العلمیہ بیروت۔

(8) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، (م ۲۷۹ھ)، سنن ترمذی، دمشق، ۱۹۶۵ء۔

(9) تنزیل الرحمٰن، جرم و سزا کا اسلامی تصور۔

(10) ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) السیاسۃ الشرعیۃ، دار الکتب العربیہ، لبنان۔

(11) حاکم، محمد بن عبداللہ، (م ۴۰۵ھ)، المستدرک، دار المعارف، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۴ھ

(12) حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، مکتبہ الحسن، لاہور۔

(13) حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، مطبعہ النہضہ العصریہ، ۱۹۴۸ء۔

(14) حسین ہیکل، حیاۃ محمد ﷺ، مطبعہ النہضۃ العصریہ مصر، ۱۹۴۷ء۔

(15) ایضاً، عمر فاروق اعظم، مصر۔

(16) حفظ الرحمٰن، سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین، دھلی، ۱۹۵۹ء۔

(17) خالد علوی، انسان کامل، مکتبہ الفیصل، ۱۹۹۷ء۔

(18) دارمی، ابومحمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن، (م ۲۵۵ھ)، سنن دارمی، بیروت، ۱۴۰۶ھ۔

(19) ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، (م ۲۷۶ھ) سنن ابی داؤد، مطبع السعادۃ، مصر، ۱۳۶۹ھ۔

(20) ابن سعد، (م ۲۳۰ھ)، الطبقات الکبریٰ، بیروت، ۱۹۶۰ء، سعد اللہ، حافظ، بنیادی ضروریات زندگی اور اسلام، لاہور، ۱۹۹۹ء۔

(21) سرخسی، (م ۴۸۳ھ)، المبسوط، مطبعہ السعادۃ، قاہرہ۔ ۱۳۲۴ھ

(22) سلیمان ندوی، سیرت النبی ﷺ، اعظم گڑھ، ۱۳۵۲ھ۔

(23) شاہ ولی اللہ دہلوی، (م ۱۱۷۶ھ) حجۃ اللہ البالغہ، حصہ دوم اردو ترجمہ از مولانا عبدالرحیم، قومی کتب خانہ، لاہور ۱۹۸۳ء۔

(24) طبری، ابوجعفر محمد بن جریر (م ۳۱۱ھ) تاریخ الامم والملوک، مصر، ۱۹۰۶ء۔

(25) عبدالوہاب النجار، الخلفاء الراشدون۔

(26) ابوعبید القاسم بن سلام، (م ۲۲۴ھ) کتاب الاموال، دار الفکر للطباعۃ والنشر، قاہرہ، ۱۹۸۱ء۔

(27) علی المتقی، علاء الدین بن حسام الہندی، (م ۹۷۵ھ) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۷۹ء۔

(28) ابن کثیر، (م ۶۳۰ھ) تفسیر القرآن العظیم، مکتبہ المعارف، بیروت، ۱۹۷۷ء۔

(29) ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی، (م ۲۷۳ھ) سنن ابن ماجہ، شرکۃ الطباعۃ العربیہ، الریاض ۱۴۰۴ھ۔

(30) مالک بن انس، المؤطا، مصر،

(31) الماوردی، الاحکام السلطانیہ۔

(32) متین ہاشمی، سید، اسلامی حدود، انجمن اصلاح المسلمین، پنڈی بھٹیاں۔

(33) مسلم بن الحجاج القشیری، (م ۲۷۶ھ)، الجامع الصحیح، قاہرہ، ۱۳۲۹ھ)

(34) مناظر احسن گیلانی، النبی الخاتم۔

(35) المنذری، عبدالعظیم بن عبدالقوی، (م ۶۵۶ھ)، الترغیب والترہیب، مصر۔

(36) نسائی، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب، (م ۳۰۳ھ) سنن النسائی، المطبعۃ المصریہ، ۱۹۳۰ء

(37) نعیم صدیقی، محسن انسانیت۔

(38) ولی الدین خطیب تبریزی، (م ۷۳۷ھ) مشکوٰۃ المصابیح، المکتب الاسلامی، دمشق۔

(39) ابن ہشام، (م ۲۱۸ھ) السیرۃ النبویہ، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۶ء۔

(40) ابویوسف، (م ۱۸۲ھ) کتاب الخراج (اردو ترجمہ اسلام کا نظام محاصل از ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی) مکتبہ چراغ راہ، کراچی، ۱۹۶۶ء۔

(41) موسوعۃ الحدیث الشریف الکتب الستۃ، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض۔

13600